دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی مجلد ترتیب و تحشیہ: مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعواتِ حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہلِ حق (مجلد) ضبط و ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی	〃	〃 〃	۳۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصرِ حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	〃	〃 〃	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروانِ آخرت مجلد	〃	〃 〃	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (خصوصی نمبر)	〃	〃 〃		
۱۱۔ قادیانیت اور ملتِ اسلامیہ کا موقف	〃	〃 〃	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک	〃	〃 〃	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	〃	〃 〃	—	-
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	〃	〃 〃	-	-
۱۵۔ روسی الحاد	〃	〃 〃	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاعِ امام ابوحنیفہؒ (مجلد)	〃	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات مجلد	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماءِ احناف کے حیرت انگیز واقعات امام ابویوسفؒ۔ امام محمدؒ (مجلد) جلد دوم	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۹۔ اربابِ علم و کمال اور پیشۂ رزقِ حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظمؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست	〃	〃 〃	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطباتِ حقانی (جلد اول)	〃	〃 〃	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوینِ حدیث	〃	〃 〃	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہدِ حاضر کا چیلنج اور امتِ مسلمہ کے فرائض (مجلد)	〃	〃 〃	—	—
۲۴۔ مردِ مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	〃	〃 〃	۳۲	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	〃	〃 〃	—	—
۲۶۔ دَ امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	〃	〃 〃	—	—
۲۷۔ کشکول معرفت	〃	〃 〃	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علی مشکلات الطحاوی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منہاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	〃	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	-	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	—
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشاداتِ حکیم الاسلامؒ	〃	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	—	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	〃	〃 〃	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاعِ ابوہریرہؓ	〃	〃 〃	—	—
۳۶۔ افاداتِ حلیم	〃	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیاتِ صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبویؒ)	〃	〃 〃	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائل جمعہ	〃	مولانا امین الحق گستوی حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ تا ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ | جلد ۲۸ | اکتوبر ۱۹۹۲ء تا ستمبر ۱۹۹۳ء

مضامین کی فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ وار ان صفحات سے دی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوتے ہیں یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوالی جائے — مدیر

نقش آغاز (اداریہ) مدیر

وفیات

قرآنیات

احادیث نبویؐ، سنت رسولؐ اور سیرت مطہرہ

اسلامی قوانین، فقہ اور اسلامی نظام حکومت و آئین

اصلاح و تبلیغ اور دعوت و ارشاد

دینی مدارس، علم اور علماء اور نصاب تعلیم

تردید فرق باطلہ، یہودیت، قادیانیت، عیسائیت اور تہذیب مغرب وغیرہ

بحث وتحقیق ۔ سائنس اور معاشیات

عالم اسلام الجزائر، بوسنیا، کشمیر اور وسطی ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستیں وغیرہ

اسلامی تحریکات اور تاریخ وسوانح

ادبیات

افکار وتاثرات

دارالعلوم کے شب و روز

تعارف و تبصرہ کتب

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ــــ ۲۸
شمارہ ــــ ۱۲
ربیع الثانی ــ ۱۴۱۴ھ
ستمبر ــ ۱۹۹۳ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بیاد: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی
ناظم ـ شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۳۴۰ / ۴۳۵
کوڈ نمبر ـ ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۸۰/- روپے فی پرچہ ۸/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۶/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا ـ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

خیبر ایجنسی میں شرعی قوانین کا اجراء

عدل وقسط صلح وآشتی اور امن وامان کا گہوارہ

دنیائے عالم بالخصوص عالم اسلام کے لیے نفاذِ شریعت کا ایک نمونہ

۱۱ ستمبر کو اتحاد العلماء خیبر ایجنسی کی دعوت پر دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ، دارالعلوم کے بعض دیگر اساتذہ اور متحدہ دینی محاذ کے اکابر کی معیت میں باڑہ خیبر ایجنسی تشریف لے گئے یہاں انکے لیے ایک عظیم تاریخی جلسہ کی شکل میں استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا تھا اس جلسہ میں دو مجرموں کو سرعام اسلامی تعزیرات کی روشنی میں کوڑوں کی سزائیں بھی دی گئیں اس تنظیم کو قائم ہوئے ساڑھے تین سال کا عرصہ ہوا ہے مولانا محمد مجاہد صاحب اس کے امیر ہیں جس میں مختلف مذہبی وسیاسی جماعتوں اور مکاتب فکر کے علماء اور زیادہ تر دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء شامل ہیں تنظیم نے متفقہ طور پر تمام خیبر ایجنسی میں اسلامی قوانین، حدود وقصاص اور اسلامی تعزیرات نافذ کردیئے ہیں اس مختصر مدت میں پورا علاقہ عدل وقسط، انصاف ومساوات اور امن وامان کا گہوارہ بن چکا ہے ظالموں کو سزائیں دی جاتی ہیں منشیات والوں سے قرآن وسنت کی روشنی میں نپٹا جاتا ہے قاتلوں سے قصاص لیا جاتا ہے زانیوں کو سنگسار کیا جاتا ہے اور کوڑے لگائے جاتے ہیں چوروں پہ حدود جاری ہوتی ہیں ڈاکوؤں اور رہگیروں کو شرعی سزائیں دی جاتی ہیں شرابیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جاتا ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک علاقے کے علماء نے بالاتفاق وہ اصول نافذ کردیئے ہیں جن پر قرآن وسنت کے منشا کے مطابق ایک اسلامی ریاست کی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے اس سے پہلے اشخاص اور افراد منفرد طور پر تو بار ہا ان اصولوں اور قوانین اور مسائل کے متعلق اپنی علمی تحقیقات اور تدقیقات، اور سیاسیات میں تو لگے رہے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک علاقہ میں جم کر مختلف عقائد ومسالک اور تنظیموں کے نمائندہ علماء نے خالص اسلامی مملکت کے بنیادی اصولوں اور قوانین وتعزیرات کو اس قدر واضح، اور ببانگ دھل عملاً نافذ کردیا ہو۔ یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی اور توقع کی جا سکتی ہے کہ انشاء اللہ ہمارے ملک کے مستقبل کے حالات کی تشکیل میں اس کا نہایت اہم حصہ ہوگا —— انتخابات کے بعد قائم ہونے والی نئی حکومت کے لیے کام کرنے کے نشانِ راہ متعین ہوگئے ہیں۔

اب کسی کے لیے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ علماء اور دینی مدارس کے فضلاء اسلامی نظامِ حدود و قصاص اور اسلامی تعزیرات نافذ نہیں کر سکتے۔

اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام ایک دین کی حیثیت سے ریاست اور سیاست کے لیے کچھ مخصوص اصول رکھتا ہی نہیں ہے۔

اب کسی کے لیے یہ موقع باقی نہیں رہا ہے کہ اپنے خود ساختہ بنیادی اصولوں اور دستوری خاکوں پر" اسلامی لیبل" لگا کر جعلی نوٹوں کی طرح انہیں بازار میں چلا سکے۔

اب یہ دعویٰ کرنے کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ مختلف فرقوں، سیاسی و مذہبی جماعتوں کی باہمی سیاسی اور مذہبی نزاعات ایک اسلامی حکومت کے قیام میں مانع ہیں۔

اب اس جاہلانہ بدگمانی کے فروغ پانے کا بھی امکان نہیں رہا ہے کہ دورِ جدید میں ایک ترقی پذیر ریاست کے لیے اسلام کے اصول سیاست موزوں نہیں ہیں۔

اب یہ جھوٹ بھی نہیں چل سکتا کہ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے تنظیم اتحاد العلماء خیبر ایجنسی نے عملاً شواہد پیش کر کے ان تمام غلط فہمیوں کا دروازہ بند کر دیا ہے کہ اس علاقہ میں غیر مسلموں کی بھی ایک معتد بہ تعداد رہتی ہے اسلامی قوانین اور حدود و قصاص اور اسلامی تعزیرات کا نفاذ و اجراء ایک ایسا چارٹر ہے جو نہ صرف پاکستان کی مستقبل کی حکومت کا سنگ بنیاد بن سکتا ہے (بشرطیکہ ملک بھر کی دینی قوتیں باہمی متفق ہو کر عملاً وہ اقدام کریں جو خدا اور رسول کو ان سے مطلوب ہے) بلکہ دوسرے ممالک کے لیے بھی مشعل راہ بنے گا۔ کیونکہ ہم موجودہ ملکی و ملی سیاسی و قومی اور معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لیے پاکیزہ علاج خود اپنے پاس رکھتے ہیں ہم دوسروں کی "طبی امداد" کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ہمیں تو ساری دنیا کے لیے معالج بنا کر بھیجا گیا ہے ہم پورے اسلام پر ایمان لائے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی رہنمائی کو موجب فلاح تسلیم کرتے ہیں اسلام اگر نماز روزے کا دین ہے تو وہ سیاسیات اور معاشیات کا دین بھی ہے وہ اگر مسجد میں صحیح رہنمائی کرتا ہے تو یقیناً بنک، کارخانے، کھیت اور بازار میں بھی صحیح رہنمائی کرتا ہے ہم اسلام کے دین پر اگر نکاح و طلاق کے مسائل پر بھروسہ کرتے ہیں تو یقیناً سرمایہ و محنت کے مسائل میں بھی ہمیں اس کے اصولوں کی صحت پر یقین کامل ہے اور ہونا چاہیئے۔ ہمیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مستقبل قریب کی حکومت اس راہ پر کتنے قدم اٹھاتی ہے بصورت دیگر دینی قوتیں اپنا موثر کردار ادا کرنے کے لیے کون سا لائحہ عمل اختیار کرتی ہیں۔

عبدالقیوم حقانی

خطاب: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ
ضبط: افضل سعید حقانی

اسلامی قوانین کے نفاذ اور اجراء کی برکتیں

خیبر ایجنسی میں شریعت کا نفاذ، پوری دنیا کے لئے نمونۂ عمل ہے

یاسر عرفات کا اسرائیل کو تسلیم کرنے کا سمجھوتہ

پاکستان میں منشیات کے کاروباریوں کو امریکہ کے حوالے کرنا

اور قبائل کو عام انتخابات میں ووٹ کے استعمال کے استحقاق پر اظہار خیال

۱۱ ستمبر ۱۹۹۳ء تنظیم اتحاد العلماء خیبر ایجنسی کی دعوت پر دار العلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ باڑہ تشریف لے گئے جہاں آپ کے استقبالیہ میں ایک عظیم اور تاریخی جلسہ کا انعقاد کیا گیا تھا علاقہ بھر کے علماء، مشائخ، قومی رہنما اور زعماء تشریف لائے تھے وسیع و عریض میدان میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی لوگ دور دور چھتوں پر چڑھ کر بیٹھ گئے تھے، مولانا سمیع الحق کی خدمت میں استقبالیہ پیش کرتے ہوئے تنظیم کے امیر خیبر ایجنسی میں اسلامی قوانین کی تنفیذ کے محرک و بانی مولانا محمد مجاہد نے کہا کہ آج کا دن، ہمارے لیے عید کا دن ہے ہماری قدیم تمناؤں اور حسرتوں کی تکمیل کا دن ہے ہم چاہتے ہیں خیبر ایجنسی کی طرح پورے ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ و اجراء ہو اس کے لیے ہم نے مولانا سمیع الحق پر اعتماد کیا ہے وہ جہاں اور جس میدان میں بھی قدم اٹھائیں گے ہمیں اپنا بازوئے شمشیر زن پائیں گے، اس کے جواب میں مولانا سمیع الحق نے درج خطاب فرمایا جو نذر قارئین ہے مولانا سمیع الحق کی تقریر سے قبل مولانا عبد القیوم حقانی نے بھی مختصر خطاب فرمایا۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد،

محترم جناب حضرت مولانا محمد مجاہد صاحب صاحب، علماء کرام، مشائخ عظام اور خیبر ایجنسی کے غیور مومنین و مخلصین! میں آپ کا قیمتی وقت نہیں لینا چاہتا آپ صبح سے سخت گرمی اور دھوپ میں انتظار کی زحمت میں رہے،

آپ صبح سے تکلیف میں ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اللہ کی شریعت اور اسلامی قوانین کی تنفیذ و اجراء سے وابستگی کا اظہار ہے آپ نے جو انتظار کی زحمتیں اٹھائی ہیں اللہ پاک ہر منٹ اور ہر سیکنڈ کے عوض آپ کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بدلہ دے گا یہ سورج کی تمازت اور گرمی کا برداشت کرنا، کاروبار اور دکانیں بند کرنا، دنیوی مقاصد کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے اللہ کریم آپ سب سے راضی ہو۔

قبائل کو اللہ نے ہر دور میں خاص روایات سے نوازا ہے دین کے لیے سرفروشی، جان نثاری، ایثار و قربانی ان کی رگ رگ میں پیوست کردی آج جب دنیا میں ہر طرف تاریکی ہے اندھیرے ہی اندھیرے چھائے ہوئے ہیں خود اسلامی ممالک بھی اسلامی قوانین کو طاق نسیان پر رکھ چکے ہیں۔ ہم گذشتہ ۴۵، ۴۶ سال میں پاکستان میں اسلامی قوانین اور نفاذِ شریعت کی جنگ لڑ رہے ہیں مگر کفر ہے جو ہر طرف سے امڈا چلا آرہا ہے اللہ نے یہ فضیلت آپ کو دی ہے کہ آپ نے اپنے علاقہ میں اللہ کے احکام، قرآن و سنت کے قوانین، حدود، قصاص اور اسلامی تعزیرات نافذ کرکے علاقہ کو امن کا گہوارہ اور جنت کی مثال بنا دیا ہے اور پاکستان سمیت بڑے بڑے وسائل والے اسلامی ممالک کو یہ نمونہ دکھا دیا ہے کہ اسلامی قوانین آج بھی نافذ العمل ہو سکتے ہیں اور ان کے کیا کیا برکات ہیں یہ آپ حضرات، یہ آپ کے علماء کرام، مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مشائخ اور عامۃ المسلمین کے مضبوط اتحاد اور باہمی اعتماد کا نتیجہ ہے خدا تعالیٰ اسے مزید استحکام بخشے۔

جب ہم نے سنا کہ خیبر ایجنسی میں اسلامی قوانین رائج ہو گئے ہیں اور آئے دن ان کی تنفیذ اور اجراء میں مزید استحکام آرہا ہے تو خدا گواہ ہے بہت خوشی ہوئی آج آپ کے ہاں آکر، اسلامی تعزیرات کے نفاذ کے عملی نمونے اور برکات و ثمرات اپنی آنکھوں سے دیکھے تو خدا گواہ ہے ایمان تازہ ہوا اور ایمان میں اضافہ ہوا یہ اللہ کی مدد اور نصرت ہے ورنہ آج دنیا میں اسلام کے نفاذ کی پوری قوت سے مزاحمت ہو رہی ہے کفار نہیں برداشت کرتے کہ اسلامی تعزیرات کا اجراء ہو اسلام کا نظام عدل و قسط جاری ہو سب چاہتے ہیں کہ مسلمان جتنی بھی ترقی کرے کرے مگر اسلامی ممالک کے کسی ایک چپہ پر بھی اسلامی قانون نافذ نہ ہونے پائے مصر، الجزائر، تاجکستان افغانستان اور وسطی ایشیاء کی نوآزاد مسلم ریاستوں کے مناظر آپ کے سامنے ہیں —— وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح آج آپ کی خیبر ایجنسی میں اسلامی قوانین کے برکات، اور انقلابی اثرات، نمایاں ہیں جو امن آشتی، عدل، مساوات، خوشحالی اور خدا کی رحمتوں کی بارش ہے اگر یہ کسی ایک ملک میں بھی جاری ہو گئے تو پھر بات آگے بڑھے گی اور ایک دنیا میں انقلاب برپا ہو گا۔

آپ کا اسلامی قوانین کا اجراء، کوئی معمولی کارنامہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین، احکام تعلیمات و ہدایات، حدود و تعزیرات کی تنفیذ و اجراء عالم اسلام کی ضرورت ہے آپ نے ابتدائی نمونہ پیش کردیا جس سے

امن قائم ہوا شراب بند ہوئی، زنا ختم ہوا ڈاکہ، چوری کا سدباب ہوا تشدد، ظلم اور قتل وغارت گری کے دروازے بند ہو گئے ہر شخص خوشحال ہے سکھ اور چین کا سانس لے رہا ہے تجارت جاری ہے غرباء کے حقوق پامال نہیں ہو رہے عدل و مساوات کا نظام ہے ــــ آپ نے پوری دنیا کو چیلنج کر دیا ہے ایسے حالات میں جب پوری دنیا کا نظام ختم ہو گیا روسی نظام کمونسٹوں کا نظام دھڑام سے گر آج کمیونسٹ اور روسی باشندے خود کارل مارکس اور لینن پر لعنت بھیجتے اور ان کے مجسموں پر پیشاب کرتے ہیں۔ دنیا میں صرف ایک ہی نظام باقی ہے اور وہ ہے قرآن وسنت کا نظام، پاکستان کی سیاست میں اور پارلیمنٹ میں ہماری یہی جنگ جاری ہے کہ ہمیں ملک میں قرآن وسنت کا نظام نافذ کرنا چاہیئے۔

آپ لوگ غیرت مند، حمیت والے اور آزاد ہیں آپ نے اس دور میں بھی انگریز کی غلامی قبول نہیں کی تھی جب برصغیر میں اس کا مکمل تسلط تھا مگر انگریز نے یہاں تسلط کے زمانے میں ہم سے اپنی ثقافت اپنا تمدن، اپنی تعلیم اور اپنا نظام حکومت وسیاست چھین لیا اور اب انگریز کی معنوی اولاد نے ہمیں امریکہ کی جھولی میں ڈال دیا۔

ہماری سیاست ومعیشت آج امریکہ کے ہاتھ میں ہے امریکہ اپنے دفتر سے ایک سرکاری ملازم کو اٹھا کر پاکستان بھیج دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا وزیراعظم ہے ہم بسروچشم قبول کر لیتے ہیں۔ چونکہ امریکہ قبائل کی اسلام دوستی، اور نفاذ شریعت کے لیے قربانی کی صلاحیتوں کو جانتا ہے اس لیے آزادی کے باوجود آج تک پاکستان میں قبائل کو ووٹ کے استعمال کا حق نہیں دیا گیا وہ جانتا ہے کہ قبائل میں جب آزادانہ انتخابات ہوں گے تو ۲۰، ۲۵ سیٹوں سے علماء کامیاب ہوں گے یا دیندار لوگ کامیاب ہوں گے جن کی اسمبلی میں موثر آواز ہو گی لہذا انہیں دبائے رکھو تاکہ اسمبلی میں اسلام کی موثر اور طاقتور آواز نہ ابھر سکے، ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ پاکستان کے دیگر شہریوں کی طرح قبائل بھی ہمارے بھائی اور پاکستانی شہری ہیں انہیں بھی اپنے ووٹ کے استعمال کا آزادانہ حق دیا جائے۔

منشیات کا کاروبار جرم ہے اس کے خلاف تحریک چلانا دین اسلام کا بنیادی ہدف ہے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے مگر عجیب بات ہے کہ ہمارے ملک میں، ہمارے مجرموں (اور یہ تحقیق ہنوز باقی ہے کہ واقعتہً وہ مجرم بھی ہیں یا نہیں) کو امریکہ گرفتار کرتا اور خود سزا دینے کی باتیں کر رہا ہے جب مجرم ہمارے ہیں تو ہمیں خود انہیں سزا دینی چاہیئے امریکہ خود بڑا مجرم ہے اسے کیا حق ہے کہ وہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتا ہے عربوں نے جہاد افغانستان کے لیے قربانیاں دیں، بدر واحد کے نمونے قائم کئے پاکستان کے دفاع کی جنگ لڑی روس کو شکست دی مگر جب امریکہ نے اشارہ کیا تو ہمارے منافق حکمرانوں نے راتوں رات عربوں پہ چھاپے مارے گرفتار کیا، اور انہیں جیلوں میں ٹھونس دیا چاہیئے تھا کہ ہم ان عربوں کا اکرام کرتے، انہیں تمغے دیتے ــــ آج پورے عالم اسلام کے لیے المیہ کا دن ہے رونے اور ماتم کا دن ہے کہ تنظیم آزادی فلسطین پر اسرائیل تسلیم کرا

لیا گیا۔ یاسر عرفات نے گھٹنے ٹیک دیئے اسرائیل جو پوری ملت کے لیے ناسور ہے اس کی پالیسی کامیاب ہوئی مگر یاد رہے ہم یہ حق یاسر عرفات کو نہیں دیتے وہ امریکی اشارۂ ابرو کا بندہ ہے یاسر عرفات نے نہ صرف اپنی قوم و ملت، نہ صرف عربوں بلکہ پورے عالم اسلام کے ساتھ غداری کی ہے اس لیے یہ مسئلہ صرف یاسر عرفات یا عربوں کا نہیں بلکہ یہ تو تمام عالم اسلام کا مسئلہ ہے یہ امریکی پروگرام ہے یہی نیو ورلڈ آرڈر کے اہداف ہیں جن پر یکے بعد دیگرے کام کیا جا رہا ہے اس وقت سیاست، مغربی کی لادینی جمہوریت اور صرف انتخابات سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ جہاد کرنا پڑے گا اگرچہ آپ سے حکومت نے ووٹ کا حق چھینا ہے مگر بندوق اور تلوار کا حق نہیں چھینا، مجھے یقین ہے کہ نفاذِ شریعت کے عملی جہاد میں آپ میرے ساتھ چلیں گے (بلند آواز سے جلسہ گاہ میں چلیں گے، چلیں گے،) ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی حدود اور تعزیرات کا نظام پورے ملک میں نافذ ہو آج چھوٹے سے علاقہ میں ان کے نفاذ سے حکومت پریشان ہے یورپ و امریکہ پریشان ہے ایک حد کے قیام سے خدا کی کتنی کتنی رحمتیں اور نصرتیں نازل ہوتی ہے میں آخر پر تنظیم اتحاد العلماء، دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور علاقہ بھر کے مشائخ و زعماء کا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے عزت افزائیوں سے نوازا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنو

صاحبِ قرآن اور قرآن

یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ اب سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں پوری انسانی دنیا نورِ ہدایت سے محروم اور روحانیت و اخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی، یورپ پر قرونِ وسطیٰ کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، ایران اور اس کے زیر اثر ملکوں میں مزدکیت کا دور دورہ تھا، جس نے اخلاق و شرافت کی حدود کو درہم برہم کر کے انسانوں کو حیوان بنا دیا تھا، ہندوستان پورانک عہد کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا، یہاں ایک طرف تو جمادات و حیوانات بلکہ سانپوں تک کی پرستش ہوتی تھی، اور دوسری طرف بیچارے ان انسانوں کے ساتھ جن کو نسلی اور پیدائشی طور پر اچھوت قرار دیا گیا تھا، حیوانوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا، وہ انسان ہونے کے باوجود انسانی حقوق سے محروم تھے، جس کے کچھ اثرات اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود اب تک بھی باقی ہیں ــ کم وبیش یہی حال انسانیت کی پستی اور انسانوں کی بے راہ روی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے ان دوسرے ملکوں کا بھی تھا، جن کی تاریخ معلوم ہے ۔

پھر ان سب کے گویا قلب میں جزیرہ نمائے عرب تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مقامِ اتصال پر واقع تھا، اور اسی لیے پرانے زمانے میں اُسے "دنیا کی ناف" کہا جاتا تھا، یہ بھی اس دور میں خداوندی ہدایت اور تعلیم و تہذیب کی روشنی سے یکسر محروم تھا، تاریکیوں اور گمراہیوں کے بادل تہ بہ تہ چھائے ہوئے تھے، ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار دیویوں، دیوتاؤں اور ان سے نسبت رکھنے والی پتھر کی مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی، اُن کے لیے انسانوں تک کی قربانی دی جاتی تھی، شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے خدا کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، وہ ایک بڑا بت خانہ بن گیا تھا، پورے ملک میں جنگل کا قانون چالو تھا کوئی حکومتی نظام بھی نہ تھا، انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، سنگدلی اور قساوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود اپنے نومولود بچوں کو گڑھا کھود کے زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے ۔ بے شرمی اور بے حیائی کا یہ حال تھا کہ بہت سے لوگ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، بعض قبیلوں میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کی بیوہ بیوی کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا، اور یہ گویا اُس کا حق تھا ۔

اخلاق وروحانیت کی اس تباہی کے علاوہ دنیا بھی برباد تھی، بہت بڑی تعداد ایسے غریبوں کی تھی، جو غربت و افلاس کی مجبوری سے زمین کے کیڑے مکوڑے اور مردار تک کھا لیتے تھے۔

پوری انسانی دنیا کے اور خاص کر ملک عرب کے یہ حالات تھے کہ اب سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے عرب کے مرکزی شہر مکہ میں ابراہیمؑ واسماعیلؑ ہی کی نسل کے ایک معزز قبیلۂ قریش کے ایک شریف گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا ——— یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا، یعنی ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا، اور بیوہ ماں ہی نے اس کو پالا، عمر کا چھٹا سال تھا کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، تو دادا عبدالمطلب نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا، اس کے دو ہی سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آٹھ سالہ بچہ کو چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

اس بچہ کا نام "محمد" رکھا گیا تھا جس کے معنیٰ ہیں، وہ ذات جو اپنی صفات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی قابل تعریف ہے۔

چونکہ عربوں میں اس زمانہ میں تعلیم کا رواج نہیں تھا، اس لیے آپ بھی اُمّی یعنی نوشت وخواند سے بالکل ناآشنا رہے ——— لیکن فطرت کی سلامتی اور رُوح کی پاکیزگی جو خدا کا خاص عطیہ تھا، اس کی وجہ سے اس انتہائی فاسد ماحول میں بھی آپ کی زندگی نہائت معصومانہ اور شریفانہ رہی۔

جب سن شعور کو پہنچے تو کسب معاش کی فکر ہوئی تاکہ چچا ابوطالب پر (جن کے خود بھی کافی اولاد تھی) بوجھ نہ پڑے، تجارت خاندانی پیشہ تھا، اسی کا اپنے لیے انتخاب کیا، لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا ذاتی کاروبار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے اپنی محنت دوسروں کے سرمایہ کے ساتھ لگا کر کام شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں معاملات میں آپ کی امانت و دیانت، سچائی اور نیک کرداری کی شہرت ہو گئی، اور آپ کا لقب ہی "امین" پڑ گیا، جس نے آپ کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا، اس نے آپ کو ایک فرشتہ صفت انسان اور بالکل نئے قسم کا ایک پاکباز تاجر پایا، اور وہ متاثر ہوا۔

مکہ میں قریش ہی کے قبیلہ میں خدیجہ ایک دولت مند بیوہ خاتون تھیں، جن کا اپنا کاروبار بھی تھا، اور دوسروں کو سرمایہ دے کر بھی وہ تجارت کراتی تھیں، بڑی صاحب فراست اور نیک فطرت خاتون تھیں، اُن سے بھی آپؐ کا کچھ کاروباری واسطہ پڑا تھا ——— وہ اگرچہ صاحب اولاد تھیں، اور اُن کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی، اور آپؐ کی عمر ابھی صرف پچیس سال ہی کی تھی، اس کے باوجود انہوں نے آپؐ سے نکاح ہو گیا اس نکاح کے بعد آپ کو اپنے معاشی مسئلہ کی زیادہ فکر نہیں رہی تو آپ زیادہ وقت خلق اللہ کی خدمت، خاص کر غریبوں، آفت رسیدوں اور ضرورت مندوں کی امداد و اعانت اور علاقہ میں امن وامان کی

فضا قائم کرنے پر صرف کرنے لگے ـــــ زندگی اسی طرح چل رہی تھی، اور آپ کی معصومانہ سیرت، نیک روی، غربا نوازی اور خدمتِ خلق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عام طور سے آپ کی عظمت اور محبت پیدا ہوگئی تھی اور اس طرح پوری قوم کی غیر رسمی سرداری آپؐ کو حاصل تھی کہ عمر کے چالیسویں سال میں آپؐ کے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی، دل میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوتا کہ گھر سے اور آبادی سے دور، سب سے الگ بالکل تنہائی میں عبادت اور دعا و مناجات کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کریں ـــــ مکہ سے قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی پہاڑی ہے، جس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چند چٹانوں سے گھرا ہوا ایک قدرتی غار ہے جو آج بھی غارِ حرا کے نام سے معروف ہے، آپ ایک ہفتہ کے لیے صرف زندگی کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے، اور بالکل یکہ و تنہا اس غار میں رہتے، ہفتہ میں ایک دفعہ گھر آتے، اور پھر اسی طرح کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہیں چلے جاتے اور سارا وقت توجہ الی اللہ اور تفکر و عبادت میں گزارتے

اگرچہ اس وقت خدا کی ذات و صفات کی وہ معرفت آپؐ کو حاصل نہیں تھی، جو بعد میں وحی الٰہی سے حاصل ہوئی، اسی طرح طریق عبادت کی بھی کوئی خاص تعلیم آپ کو نہیں ملی تھی، لیکن کسی طالب کو جس کی فطرت سلیم، روح پاکیزہ اور دل نورانی ہو جس درجہ کی خدا کی مجمل معرفت، محبت اور اس کی رضا جوئی اور حصول قرب کا شوق پیدا ہو جانا چاہیئے، وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، اور اپنے قلبی داعیہ کی رہنمائی کے مطابق آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خدا کی عبادت اور اس کے حضور میں دعا کرتے تھے، یہ سلسلہ کئی مہینہ اسی طرح جاری رہا۔

اسی زمانہ میں ایک نئی کیفیت آپؐ میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت خواب دیکھتے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ اگلے دن واقعہ کی شکل میں سامنے آجاتا، لیکن آپؐ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار و اعلان بالکل نہ کرتے ـــــ یہ عالم بالا کے ساتھ آپؐ کے روحانی رابطہ کا آغاز تھا اور شروع ہونے والے دن کی صبح صادق تھی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک دن جب کہ غارِ حرا کے اس مجاہدہ اور اعتکاف کے تسلسل پر چھ مہینے گزر چکے تھے، آپ غارِ حرا سے اس غیر معمولی حالت میں گھر آئے کہ رنگ پیلا تھا جیسا کہ کسی سخت دہشت زدہ انسان کا ہو جاتا ہے، اور جسم پر لرزہ کی سی کیفیت طاری تھی، آپ آتے ہی پڑ گئے اور گھر والوں سے فرمایا ”مجھے موٹے کپڑے اڑھا دو، مجھ پر موٹے کپڑے ڈال دو (زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ) پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو بیوی خدیجہ کے دریافت کرنے پر، غار میں خدا کے فرشتے کا ظاہر ہونا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور اس کا کلام پڑھوانا اور اس سلسلہ میں جو کچھ پیش آیا تھا، اور آپؐ کے قلب اور روح پر اس کا جو غیر معمولی بوجھ پڑا تھا وہ سب آپؐ نے بیان کیا،

اور بتلایا کہ میری یہ حالت اُس کے اثر سے ہے ـــــ خدیجہ جو بڑی صاحب فراست خاتون تھیں انہوں نے پہلے تو خود آپؐ کو تسلی دی کہ آپ جیسے نیک اور سب کے کام آنے والے بندہ کے ساتھ اُس کا خدا جو کچھ کرے گا، وہ بہتر ہی ہوگا، اس کے بعد وہ آپؐ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو بہت بوڑھے تھے، آنکھوں سے بھی معذور ہو چکے تھے، انہوں نے بہت پہلے اپنی بت پرست قوم کے کیش و مذہب کو چھوڑ کے نصرانیت اختیار کرلی تھی، وہ قدیم آسمانی کتابوں تورات و انجیل کے اچھے عالم بلکہ مترجم بھی تھے، انہوں نے غار حرا کا واقعہ سن کر یقین کے ساتھ کہا کہ تمہارے پاس جو فرشتہ آیا تھا، یہ اللہ کا وہی خاص فرشتہ ہے جو پیغمبروں کے پاس خدا کا کلام و پیام اور اس کے احکام لایا کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تم کو منصبِ نبوت پر فائز کیا ہے، اور پیغمبری کا کار عظیم تمہیں سپرد کیا جائے گا اور سُن لو تمہاری قوم تمہاری دشمن ہو جائے گی اور تم کو جلا وطن کردے گی، پھر بوڑھے ورقہ نے حسرت سے کہا کہ کاش میں اُس وقت زندہ و توانا ہوتا اور تمہارا ساتھ دے سکتا!

بس یہاں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت کا آغاز ہوا۔

آپؐ کا اب تک حال یہ تھا کہ اپنی ذات سے معصوم فطرت اور خادم خلق تھے، لیکن خاموشی پسند تھے اس دور میں عربوں میں شعر و سخن سے دلچسپی عام تھی، لیکن آپؐ نے اس میں کبھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی، نہ قوم کے سامنے کبھی خطیب اور مقرر بن کے کھڑے ہوئے، کبھی مصلحانہ حیثیت سے بھی کسی تحریکیت اور ہنگامہ خیزی کا آپ سے ظہور نہیں ہوا، حتیٰ کہ قوم کی حد سے گزری ہوئی بداخلاقی و بے راہ روی کی اصلاح کے لیے بھی آپؐ نے کوئی تحریک کھڑی نہیں کی اور کوئی پلیٹ فارم نہیں بنایا، وحی و رسالت، قیامت و آخرت اور دین و شریعت کے موضوع پر بھی اس پورے چالیس سال میں کبھی آپؐ سے کچھ نہیں سنا گیا، اگلے پیغمبروں اور ان کی امتوں کے سبق آموز واقعات کا بیان بھی آپؐ کی زبان پر کبھی نہیں آیا، سیاسیات و عمرانیات، معاشیات و اقتصادیات کے بارے میں بھی اس پورے عرصہ میں اپنی قوم کو آپؐ نے کوئی رہنمائی نہیں دی، الغرض چالیس سال کی عمر تک آپؐ کی زندگی کا ان باتوں سے کوئی ادنیٰ تعلق ظاہر نہیں ہوا، اور کسی نے کوئی ایسی بات آپؐ سے نہیں سنی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ آپؐ ان مسائل کی الف ب سے بھی واقف و باخبر ہیں۔

لیکن عمر کے اکتالیسویں سال میں غارِ حرا کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اچانک آپؐ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا ہوگیا، گویا آپؐ کے قالب میں ایک دوسری روح آگئی، اور آپ ایک بالکل دوسری قسم کے انسان بن گئے اب آپؐ کی خاموشی ٹوٹ گئی اور اپنی قوم سے آپؐ نے کہا کہ مجھے خدا نے وحی و الہام سے نوازا ہے، اور اپنی پیغمبری کی خدمت میرے سپرد کی ہے، جیسے کہ کبھی پہلے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ، اسحاقؑ و

یعقوبؑ اور پھر موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو سپرد کی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو بتایا کہ وہ خدا میرا اور تمہارا اور ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے ہر نقص سے پاک اور عظمت و کمال کی ساری صفات کا جامع ہے، صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے میری تمہاری اور سب کی موت و حیات اُسی کے قبضہ میں ہے، ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں ہے، کسی دوسرے کی یہ شان نہیں ہے، اس کے سوا جن بتوں اور دیویوں، دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے، اور جن کو حاجت روا سمجھا جاتا ہے، اُن کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کی عبادت اور اللہ کے سوا کسی مخلوق کی بھی عبادت بہت بڑا گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے، اِس لیے صرف ایک خدا کی عبادت کرو جو معبودِ برحق ہے، اسی سے لو لگاؤ، اس سے بھرپور محبت کرو اور اس سے بہت زیادہ ڈرو! یہ حکم میرے لیے بھی ہے اور تم سب کے لیے بھی!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو یہ بھی بتایا اور اُن کے دلوں میں اس کا یقین اتار دینے کی پوری کوشش کی کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں، ہمیشہ نہیں رہے گی، جس طرح ہر پیدا ہونے والا آدمی اپنی مقررہ زندگی پوری کرکے مر جاتا ہے، اسی طرح یہ پوری دنیا بھی ایک وقت خدا کے حکم سے فنا کر دی جائے گی، وہ قیامت کا دن ہوگا، پھر خدا ہی اپنی قدرت سے سب کو دوبارہ زندگی بخشے گا، اور ایک دوسرا عالم برپا ہوگا، یہ آخرت کا عالم ہوگا، جس میں سب کو اپنے کیے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی، جنہوں نے دنیا میں خدا کو اور خدا کے احکام کو مان کر پاکبازی اور نیک کرداری کی زندگی گزاری ہوگی، ان پر خدا کی رحمت ہوگی، اور ان کو بھرپور لذتوں اور مسرتوں والی زندگی عطا فرمائی جائے گی، اور اس کے برعکس جنہوں نے اس دنیا میں اپنے خالق و پروردگار کو بھلا کر اور اس کے احکام سے بے پروا اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر مجرمانہ زندگی گزاری ہوگی، وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بندوں پر اللہ کے حقوق اور بندوں پر دوسرے بندوں کے حقوق اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی بھی قوم کو تعلیم و تلقین کی اور فواحش و منکرات اور بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے منع بھی فرمایا، اور اس کے برے انجام سے ڈرایا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قوم کو خرید و فروخت، تجارت و سوداگری اور مالی لین دین اور محنت و مزدوری وغیرہ کے بارے میں بھی خدا کی ہدایات پہنچائیں اور بتایا کہ ان میں یہ طریقے صحیح و جائز اور یہ غلط و ناجائز ہیں۔

کھانے پینے کے بارے میں بھی آپؐ نے بتایا کہ یہ چیزیں خدا نے حلال اور یہ حرام قرار دی ہیں، پھر آپؐ

نے ان باتوں کو صرف بتا کے اور بیان کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ یہی آپ کی زندگی کا مشن ہو گیا، اور ان سچائیوں کی دعوت اور اپنی قوم عرب کی اور پوری انسانی دنیا کی ہدایت کی فکر آپؐ پر اس طرح چھا گئی کہ اس سے الگ کسی چیز سے گویا کوئی دلچسپی نہیں رہی، دن رات اسی کی فکر اور جد وجہد میں مشغول رہتے اور اسی کے لیے اپنے خدا سے دعائیں کرتے۔

اس راستہ میں آپؐ نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، ماریں کھائیں، ذلتیں برداشت کیں، آپؐ کا اور آپؐ کے کنبہ کا طویل مدت تک بائیکاٹ کیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی بھی ناکہ بندی کی گئی، لیکن آپؐ نے اپنی دعوت اور جد وجہد میں کوئی کمی نہیں کی، مخالفین سے کسی آویزش کے بغیر آپؐ امکان بھر اپنے کام میں اسی طرح لگے رہے، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ الحاح سے ہدایت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہے

قوم میں سے جن لوگوں کی روحوں میں نیکی کا جوہر اور حق کو قبول کرنے کی کم وبیش صلاحیت موجود تھی، وہ ایک ایک دو دو کر کے آپؐ کی سچائی سے متاثر ہو کر آپؐ کی دعوت کو قبول کرتے رہے، اور پھر وہ بھی مکہ کے شرارت پسند عنصر کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے، تقریباً دس بارہ سال اسی طرح گزرے۔ اس کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے آپؐ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو مکہ سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا اور اس کا کوئی امکان نہیں رہا کہ مکہ میں رہ کر دین حق کی دعوت اور بندگانِ خدا کی ہدایت کی خدمت کا سلسلہ جاری رہ سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنا مستقر اور اپنی دعوت وجد وجہد کا مرکز بنا لیا، یہاں پہنچ کر کام اور زیادہ جذبہ اور محنت سے ہونے لگا اور خدا کے فضل سے دعوت قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدینہ میں آپؐ کے پیرووں اور رفیقوں کی اجتماعیت سے ایک عجیب وغریب قسم کا حکومتی نظم ونسق بھی قائم ہو گیا ـــــ اس حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، پولیس نہیں تھی، تھانیدار نہیں تھا، تحصیلدار نہیں تھا، جج نہیں تھا، منصف نہیں تھا، کوئی بھی عہدہ دار نہیں تھا، اور سب تھے، یعنی حسب ضرورت ان عہدوں کے سارے کام ہوتے تھے، اور آپؐ کی دعوت کو قبول کرنے والے بندگانِ خدا صرف اللہ کی رضا اور ثواب کے لیے بغیر کسی تنخواہ اور حکومتی منصب ولقب کے یہ ساری خدمات انجام دیتے تھے۔

نئے طرز کی اس حکومت نے جس کے مؤسس اور سربراہ نبی اُمی حضرت محمد رصلی اللہ علیہ وسلم) تھے دنیا کو عملی طور سے دکھا دیا کہ بغیر فوج اور خزانے کے بھی حکومت ہو سکتی ہے اور مقاصدِ حکومت بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام پا سکتے ہیں ـــــ دشمن طاقتوں سے اس حکومت کی جنگیں بھی ہوئیں جو دنیا کے لیے مختلف پہلوؤں سے جنگوں کا بہترین نمونہ تھیں، اور جن سے بہت کچھ سبق سیکھا جا سکتا ہے، مخالف طاقتوں سے

معاہدے بھی ہوتے، صلحیں بھی ہوئیں، اس حکومت نے اپنوں پر اور پرایوں پر ٹیکس بھی لگائے اور دنیا کو دکھا دیا کہ ٹیکس کے بارے میں اچھی حکومتوں اور اُن کے عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد صرف دس سال آپ اس دنیا میں رہے، اور اتنی تھوڑی مدت میں قریب قریب پورا ملک عرب آپؐ کے لیے مسخر ہوگیا اور آبادی کے بہت بڑے حصہ نے آپؐ کی دعوت وہدایت کو قبول کرلیا ہزار ہا ہزار وہ آدمی جو پہلے خدا سے ناآشنا تھے، آخرت اور جزا سزا کے تصور سے جن کا ذہن بالکل خالی تھا اور ساری عمر انتہائی گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں گزار رہی تھی، وہ آپ کے فیضِ صحبت اور تعلیم و تربیت سے ایسے معیاری اور کامل انسان بن گئے کہ طویل انسانی تاریخ اُن کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے ـــــ افراد ہی انہیں بلکہ کامل انسانوں کی ایک پوری قوم پیدا ہوگئی جس کی مثال چشمِ فلک نے نہ اُن سے پہلے دیکھی تھی، نہ اس کے بعد دیکھی۔

یہ سب کچھ صرف دس سال میں ـــــ اور مکہ کے ابتدائی دور کو بھی شامل کرلیا جائے تو قریباً قریباً بیس یا بائیس ۲۲ سال میں ـــــ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ ہوگیا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ الف سب بھی نہیں جانتا تھا، اس کو اچھے مہذب اور دانشمند اور خدا پرست انسانوں کی کبھی صحبت بھی نہیں ملی تھی، اس کی زندگی میں چالیس ۴۰ سال کی عمر تک (جو اندرونی جذبات اور رجحانات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے) کسی قسم کی ہنگامہ پسندی، تحریکیت اور کسی مہم کی قیادت کے جذبہ کی ادنیٰ سی جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جو نہ شاعر تھا نہ خطیب، نہ شاعروں یا مقرروں کی کوئی ٹیم اس کے ساتھ تھی، رسالوں، اخباروں اور ریڈیو کا تو وہ زمانہ ہی نہیں تھا ـــــ تو سوچنے کی بات ہے کہ اتنا عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال یہ انقلاب اس آدمی کے ذریعہ کیسے ہوگیا؟

خدا کا وہ بندہ کہتا تھا کہ خود مجھ میں کچھ نہیں ہے، میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں، پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں ہوں ـــــ میں خدا کی ذات و صفات اور توحید وغیرہ کے بارے میں بیان کرتا ہوں قیامت و آخرت اور دوزخ و جنت کے بارے میں جو بتاتا ہوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو احکام دیتا ہوں، اور جو کچھ بھی تعلیم و تلقین کرتا ہوں یہ میرے اپنے فہم و فکر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ سب میرے اور تمہارے خدا کی طرف سے ہے، اس نے مجھے تمہاری ہدایت و خدمت کے لیے آلۂ کار اور وسیلہ بنایا ہے ـــــ وہ ایک کلام پڑھ کر سناتا تھا، جو اس تعلیم و ہدایت کا سرچشمہ تھا، اس میں بلا کی تاثیر اور کشش تھی، اگرچہ وہ عربی زبان میں تھا جو پوری قوم کی زبان تھی، لیکن وہ بالکل نرالا کلام تھا، خود لانے والے (پیغمبر) کے کلام سے بھی بالکل ممتاز ـــــ اس کے دشمن بھی اس سے متاثر ہوتے تھے، اور اس لیے اس کو "جادو" کہتے تھے ـــــ لیکن

وہ کلام سنانے والا کہتا تھا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ خدا کا کلام ہے، اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، یہ میرے لیے بھی اُس کا ہدایت نامہ اور حکم نامہ ہے، اور تمھارے لیے اور ساری دنیا کے لیے بھی ـــــ یہ خدا کی آخری کتاب قرآن ہے۔

وہ قرآن آج بھی جوں کا توں محفوظ ہے، اور اس میں غور وفکر کر کے آج بھی سچائی کا ہر طالب یہ یقین حاصل کرسکتا ہے کہ ـــــ یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اس میں صفاتِ الٰہی اور توحید جیسے مضامین کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ یقیناً معرفت کا آخری نقطہ ہے، جس تک خدا کی ہدایت و تعلیم کے بغیر کسی ذہین سے ذہین انسان کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی اسی طرح حیات بعد الموت اور اس قسم کے دوسرے مشکل مسائل پر قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقیناً انسانی علم وفکر سے بہت آگے کی چیز ہے ـــــ پھر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں، جو زمانہ کی بڑی سے بڑی تبدیلیوں کے باوجود انسانوں کی رہنمائی کے لیے بالکل کافی ہیں، اُن کے بارے میں ہرگز نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ کسی انسان اور خاص کر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے کسی اُمّی اور بالکل ناتعلیم یافتہ انسان کے فہم وفکر کا نتیجہ ہیں۔

الغرض قرآن خود ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ ہے اور اس کے لانے والے اور پیش کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سچے رسول ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۰ سے)

(۳۵) ـ یہ احادیث مبارکہ کتب حدیث میں کثرت سے مروی ہیں۔ ادعیہ کی کتب میں جمع کر دی گئی ہیں۔ انہیں مسلمان اپنی دعاؤں میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں' نیز رافعی نے اپنی کتاب دراسۃ القرآن والحدیث میں ان احادیث کو بطور ضرب المثال پیش کیا ہے۔

(۳۶) ـ الترمذی ' امام ابو عیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر بیروت' دارالفکر ۱۹۸۰ء۔

(۳۷) ـ رافعی' مصطفےٰ صادق' اعجاز القرآن ص ۳۲ طبع مصر ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء۔

(۳۸) ـ الترمذی ' امام ابو عیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۵۲۹ بیروت دارالفکر ۱۹۸۰ء۔

(۳۹) ـ الجاحظ ' البیان والتبیین ص ۱۰۷۔

(۴۰) ـ الترمذی ' امام ابو عیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۵۲۶ ' بیروت، 'دارالفکر ۱۹۸۰ء۔

جناب محمد طفیل صاحب

ادعیہ ماثورہ ـــ ادبی محاسن
(۲)

دعاؤں کے آغاز میں یہ لفظ اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی اور عظمت بیان کر کے اپنی حاجت اس کے حضور پیش کی جائے ۔ یہ لفظ عموماً ایسی دعاؤں کے شروع میں آتا ہے ۔ جن دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے کسی بڑی نعمت کے حصول کے لئے التجاء کی جائے ۔ اس لفظ سے دعا کا معنوی حسن اور ادبی خوبی میں اضافہ ہوتا ہے اور ایک ایسا سماں پیدا ہوتا ہے جس سے انسان اپنے پروردگار کی تقدیس کرتا اور اپنا مدعا حاصل کرتا ہے ۔ اس لفظ کے کثرت استعمال سے شرک جلی اور شرک خفی سے نجات ملتی ہے۔

ادعیہ کے آغاز کے الفاظ اللھم ' ربنا ' اعوذبک اور اسئلک اور سبحان اللہ کو "فواتح الادعیہ" قرار دیا جاسکتا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان و ادب نے انسان کو دعا کا ایک مربوط طریقہ فراہم کیا ہے ۔ جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے تاکہ رب کائنات کے حضور دعا کو قبولیت کا درجہ حاصل ہو۔

"فواتح الادعیہ" کے ادبی پہلو واضح کرنے کے بعد اب ادعیہ کے متن (Text) کے بعض ادبی پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہیں ۔

ادعیہ ماثورہ کے لفظی محاسن اور صوتی اثرات نمایاں ہیں ۔ آپ کسی بھی دعا کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ ہم قافیہ الفاظ پر مشتمل ہے ۔ لیکن اس میں وزن نہیں ہے ۔ اس لئے وہ شعر نہیں تاہم وہ ایسے موزوں الفاظ پر مشتمل ہے جو خود بخود ہی انسانی زبان پر رواں اور قلب میں جاگزیں ہو جاتے ہیں ۔ اس کی مثال ملاحظہ کیجئے

"رب اغفرلی خطیئتی ' ما قدمت و مااخرت ' ما اسررت وما اعلنت " (۲۷)

ترجمہ: اے پروردگار ! میری خطائیں معاف کر دے ۔ وہ خطائیں جن کا ارتکاب میں نے پہلے کیا یا بعد میں اور جو خطائیں میں نے چھپائیں یا ظاہر کیں ۔

اس دعا میں نہ لفظ ما قدمت سے وما اعلنت تک چار ہم قافیہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں

بلکہ ان چاروں کو دو حصوں میں تقسیم کرکے یاد کرنے کے لئے آسان بنا دیا گیا ہے۔ جنہیں یاد کرنا آسان ہو گیا ہے۔ اسی طرح اس دعا پر غور کیجئے کہ اس کے الفاظ کس قدر آسان ہیں۔ لیکن اس کے جملے درست ' الفاظ ہم وزن اور معانی وسیع تر ہیں کہ زندگی کی اعلیٰ حقیقتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوتے ہیں۔

یہ ادبی حقیقت ایک اور دعا کے ذریعے واضح کی جاتی ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے فقروں ' آسان الفاظ اور حروف علت یا الفاظ کے صلات کے استعمال سے معانی اور مفاہیم میں ادبی حسن بھر دیا گیا ہے۔ اس دعاء مسنونہ کا مطالعہ کیجئے۔

" اللهم انی اسئلک الفوز عند القضاء ' و منا زل الشهداء و عيش السعداء و النصرعلی الاعداء ' و موافقة الانبياء " (۲۸)

ترجمہ اے اللہ ! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ جب تیری قضاء جاری ہو تو مجھے کامیابی سے ہم کنار کر ' شہداء کا درجہ نصیب فرما ' نیک لوگوں کی زندگی سے سرفراز کر ' دشمنوں کے خلاف میری مدد فرما اور انبیاء (علیہم السلام) کی رفاقت نصیب فرما۔

یہ دعا پانچ چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے تین جملے دو دو الفاظ پر اور دو جملے تین تین الفاظ پر مشتمل ہیں۔ پہلے جملے میں لفظ "عند" ہر قضاء کی نشان دہی کرتا ہے جب کہ چوتھے جملے میں لفظ "علی" دشمنوں سے بےزاری کا غماز ہے۔ جب کہ باقی الفاظ نہ صرف عام فہم بلکہ اردو میں بھی معروف ہیں ' لیکن اپنے اندر ابتداء آفرینش سے انتہائے قیامت تک کے امور کو سموئے ہوئے ہیں ' جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "جوامع الکلم" ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس دعا میں سہل ترین الفاظ کو بر محل استعمال کیا گیا ہے

بعض "ادعیہ ماثورہ" میں صنعت لفظی کا وصف پایا جاتا ہے کہ الفاظ کو مقدم موخر کرکے ان کے معانی میں تبدیلی اور وسعت پیدا کر دی گئی ہے۔ اس صنعت لفظی سے لطف اندوز ہونے کے لئے یہ دعا مطالعہ کیجئے۔

اللهم انفعنی بما علمتنی ' و علمنی ما ينفعنی (۲۹)

ترجمہ : اے اللہ ! جو کچھ تو نے مجھے سکھایا اس سے مجھے فائدہ عطا کر اور مجھے فائدہ مند علم سکھا!۔

اس دعا میں لفظ نفع اور علم کو پہلے فقرے میں ایک خاص ترکیب کے ساتھ استعمال کیا گیا۔

جب کہ دوسرے فقرے میں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے تاہم ان کی ترتیب بدل دی گئی جس سے صنعت لفظی اور صنعت قلب دونوں کا سماں پیدا ہو گیا ہے ۔ دو اور مثالیں ملاحظہ کیجئے ۔

۱۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک (۳۰)

۲۔ اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی

۱۔ ترجمہ : اے دلوں کو پھیرنے والے ! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ ۔

۲۔ ترجمہ : اے پروردگار ! تو سراپا معاف کرنے والا ' معاف کرنے کو پسند کرتا ہے اس لئے مجھے معاف کر دے ۔

خیر الکلام ما قل ودل (مختصر مگر مدلل گفتگو بہترین ہوتی ہے) کے مصداق یہ دونوں مختصر دعائیں صنعت لفظی کا بہترین نمونہ ہیں کہ اس میں ق ل ب اور ع ف و کے مادوں کو تین بار خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور پہلی دعا میں ہر بار اس مادے کا الگ مفہوم ہے ۔ جب کہ دوسری دعا میں ع ف و کا مادہ ایک ہی مفہوم کو بار بار اجاگر کرتا ہے۔

بعض "ادعیہ ماثورہ" کے مطالعہ سے یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ افصح العرب ہستی کو زبان پر کامل قدرت اور مکمل دسترس حاصل تھی ۔ نیز آپ الفاظ کے انتخاب میں دقیق ادبی فرق کو بھی پیش نظر رکھتے تھے ۔ اس فرق کی عمدہ مثال یہ حدیث ہے۔

"اللھم انی اعوذبک من الھم و الحزن و اعوذبک من العجز و الکسل و اعوذبک من الجبن و البخل" (۳۱) (سنن ابی داؤد)

ترجمہ : اے اللہ ! میں پناہ مانگتا ہوں غم و اندوہ سے ' "عاجزی اور کسل مندی سے بزدلی اور بخل سے"

روایات میں ہے کہ صاحب لولاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ دعا صبح وشام مانگا کرتے تھے ۔ اس دعا میں لفظ ہم کا تعلق افسوسناکی اور غم سے ہے ۔ لیکن اس میں انسان کا ارادہ بھی شامل ہوتا ہے ۔ جب کہ "حزن" کا مفہوم بھی غم ہے لیکن وہ خارجی عوامل سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس میں انسانی ارادوں یا جدوجہد کو دخل نہیں ہوتا ۔ اسی طرح لفظ "عجز" بھی کام کی تکمیل کا مانع ہوتا ہے ' لیکن یہ ممانعت کسی کمی یا پیدائشی نقص کے باعث ہوتی ہے جب کہ کسل مندی میں نقائص کا دخل کم اور انسانی سستی کاہلی اور کام چوری کا دخل زیادہ ہوتا ہے ۔ نیز لفظ "جبن"

انسان کی مردانگی اور قوت ارادی کے فقدان کا نام ہے جب کہ "بخل" ایک اخلاقی برائی ہے ۔ جو مال و دولت کے لالچ سے پیدا ہوتی ہے ۔

اسی دعا میں لفظ "اعوذبک" کا تکرار اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان سب امور کا تعلق رذائل اخلاق سے ہے اور ہر بری بات سے جداگانہ طور پر اللہ کی پناہ چاہی جائے ۔ نیز لفظ "اعوذبک" کے بار بار دہرانے سے معانی میں مضبوطی اور تقویت پیدا ہوتی ہے ۔ اور ادبی خوبی تکرار کی آئینہ دار ہے ۔

"ادعیہ ماثورہ" کے مختلف متون پر غور کرنے سے یہ امر بھی سامنے آتا ہے کہ ہر موقع کی مناسبت سے الگ الگ ادعیہ مروی ہیں ۔ اور ہر دعا کے الفاظ اس موقع کی مناسبت سے ترتیب دیئے گئے ہیں ۔ گویا ادعیہ میں موقع کی مناسب اور وقتی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو بجائے خود ایک ادبی قدر ہے ۔ یہ دعا ملاحظہ فرمائیے ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی بے خوابی کی شکایت پیش کی ۔ آپ نے مجھے جس دعا کی تعلیم دی اس میں اللہ تعالیٰ کی بلیغ حمد وثناء کے بعد یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"اهد لیلی و نم عینی" (۳۲)

ترجمہ : اے پروردگار ! میری رات پرسکون کردے اور میری آنکھوں کو نیند عطا کر ۔ اس دعا میں رات کو پرسکون بنانے اور آنکھوں کو نیند سے آشنا کرنے کی التجا کی گئی ہے جو حضرت زید بن ثابتؓ کی تکلیف کے حل کے لئے موزوں ترین دعا ہے۔

"ادعیہ موثورہ" میں تشبیہ کے ارکان بھی ملتے ہیں ۔ تشبیہ مفرد بھی ہے اور تشبیہ مرکب بھی۔ اس کی مثال وہ دعا ہے جو آپ نماز کی تکبیر کہنے اور قرآت پڑھنے کے مابین فرماتے تھے۔

اللھم باعد بینی و بین خطایای ' کما باعدت بین المشرق و المغرب ۔

اللھم نقنی من الخطایای ' کما ینقی الثوب الابیض من الدنس (۳۳)

ترجمہ: اے پروردگار ! میرے اور میری خطاؤں کے مابین اتنی دوری پیدا کردے جس قدر تو نے مشرق اور مغرب کے مابین دوری پیدا کی ' اور مجھے خطاؤں سے اس طرح اجلا کردے جیسے دھونے سے میلا کچیلا کپڑا صاف ہو جاتا ہے ۔

اس دعا کے ذریعے خطاؤں سے وہی دوری مانگی گئی ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان قائم ہے ۔ اس تشبیہ مفرد کے ذریعے یہ امر بیان کیا جا رہا ہے کہ جس طرح مشرق و مغرب کا یکجا جمع ہونا محال ہے ' اسی طرح مجھ سے خطاؤں کا سرزد ہونا محال کر دے اور مجھے نیک کاموں پر مامور کر دے ۔ اسی دعا کے دوسرے حصے میں تشبیہ مرکب ہے کہ جیسے کپڑے کو دھو کر میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے اسی طرح نیکیوں کے ذریعے سے برائیوں کو ختم کر دے کیونکہ " ان الحسنات یذھبن السیئات (سورۃ الھود آیت ۱۱۴)

نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں ۔

"ادعیہ ماثورہ" کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دعاؤں کے الفاظ عام طور پر عام فہم اور آسان ہیں ۔ اور مسلمانوں نے "ادعیہ ماثورہ" کو بکثرت یاد کیااور اپنی عملی زندگی پر لاگو کیا ۔ اس وجہ سے بہت سی ادعیہ ماثورہ کو ضرب المثل (Proverb) کا درجہ حاصل ہوا ۔

۱۔ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا

۲۔ اللھم انی اعوذبک من غلبتہ الدین وقھر الرجال

۳۔ اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت (۳۴)

یہ اور بہت سے "ادعیہ ماثورہ" اس قسم کی زندہ و جاوید مثالیں ہیں جو عربی شعر ونثر میں بکثرت استعمال ہوتی رہیں گی ۔

یوں تو حدیث نبویؐ کا پورا ادب لسانی اور ادبی خوبیوں سے مالا مال ہے ۔ تاہم "ادعیہ ماثورہ" کا سرسری جائزہ لیا جائے تو وہ نہ صرف سہل ممتنع کی حد تک آسان زبان میں محفوظ ہیں بلکہ دعا کرنے والے کی قلبی کیفیات کی ترجمان ' ذہنی فکر کی غماز ' انسانی فروتنی اور عاجزی کی ترجمان اور اللہ تعالی پر اس کے یقین اور تعلق کی آئینہ دار ہیں ۔ ادبی نقطہ نظر سے جب ان ادعیہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے ' تو یہ خصوصیات سامنے آتی ہیں ۔

"ادعیہ ماثورہ" پر غور کیا جائے تو ان کے الفاظ مانوس ہیں ۔ الفاظ کے معانی واضح ہیں ۔ ہر لفظ اپنے مفہوم کو واضح طور پر بیان کرتا اور انسانی مدعا کی ترجمانی کرتا ہے ۔ ادعیہ انسانی کیفیات کی مظہر ہوتی ہیں جن کے اظہار کے لئے ادعیہ میں غرب ' نادر الاستعمال یا سوقیانہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے بلکہ عرب معاشرے میں روز مرہ استعمال ہونے والے الفاظ منتخب کئے گئے ہیں ۔ ادعیہ کا یہ

وصف کسی ایک دعا کے ذریعے واضح نہیں ہوتا بلکہ بیشتر "ادعیہ ماثورہ" اس کی مثال ہیں ۔ ہم یہاں ایک دعا نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے جب کوئی شخص سونے کے لئے بستر پر آنے کا ارادہ کرے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرے پھر دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ دعا پڑھے

اللھم انی اسلمت نفسی الیک ' و فوضت امری الیک ' و الجأت ظھری الیک ' رھبتہ و رغبتہ الیک لا ملجا و لا منجا منک الا الیک ' اللھم امنت بکتابک الذی انزلت و نبیک الذی ارسلت (۳۵)

ترجمہ : اے اللہ ! میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں اور اپنی پیٹھ تیری طرف ٹیکتا ہوں ۔ تجھ ہی سے ڈرتا اور تیری ہی جانب متوجہ ہوتا ہوں تیرے سوا میرا کوئی سہارا اور پناہ گاہ نہیں ۔ اے اللہ ! تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر میں ایمان لایا ۔

اس دعا کے الفاظ کو پڑھیئے تو ان میں نہ کوئی سوقیانہ لفظ ہے اور نہ ہی کوئی مشکل ' غریب المعنی یا ذو معنی ' مترادف یا قتی معانی کا حامل لفظ مذکور ہے ۔ بلکہ سیدھے سیدھے روز مرہ کے الفاظ میں اپنی التجاء بارگاہ رب القدس میں پیش کی گئی ہے ۔ رافعی نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

و انک لا تری فیہ حرفا مضطربا ' ولا لفظتہ متبکرھند عنی معنا ھا ' ولا کلمتہ غیرھا اتم منھا اداء المعنی (۳۶)

ترجمہ : آپ (حدیث نبویؐ یا ادعیہ ماثورہ میں) کوئی ایسا لفظ نہیں پاتے جس کے معانی میں تضاد ہوں ۔ نہ ایسا لفظ جو اس مفہوم کے اظہار سے عاری ہو ۔ اور نہ کوئی ایسا لفظ پائیں گے جو مطلوبہ تعبیر کو اس سے بہتر انداز میں واضح کر سکے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہر طرح کے تکلف ' دکھاوے ' مشکل پسندی اور کثرت کلام سے پاک تھی ۔ آپ ضرورت کے مطابق گفتگو فرماتے ۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ آپ نہ طویل بات کرتے اور نہ ضرورت سے کم ' یہی سلسلہ آپ نے اپنی ادعیہ مبارکہ میں جاری رکھا ۔ اس لئے دعاؤں کا مطالعہ کریں تو وہ آسان الفاظ کا

انتخاب شستہ ہوتا ہے وہ سجع سے پاک اور غیر ضروری لفاظی سے مبرا ہوتی ہیں ۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے ۔

اللھم انی اعوذبک من قلب لا یخشع ، و دعاء لا یسمع ، و من نفس لا یشبع ومن علم لا ینفع ، واعوذبک من ھو لاء الاربع (۳۷)

ترجمہ : اے اللہ ! میں تجھ سے نہ ڈرنے والے دل سے پناہ مانگتا ہوں غیر مقبول دعا سے پناہ چاہتا ہوں ، سیر نہ ہونے والے نفس سے پناہ چاہتا ہوں ۔ نفع نہ دینے والے علم سے پناہ مانگتا ہوں اور ان چاروں سے تیری پناہ چاہتا ہوں ۔

مذکورہ دعا کا تجزیہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ نے جملہ کا آغاز فعل سے نہیں کیا بلکہ کلام کو واضح کرنے اور فعل سے پہلے متعلقات فعل لا کر آپ نے دعا میں ادبی بکتہ پیدا کیا اور پانچوں جملوں کے آخر میں صرف عین پر ختم ہونے والے الفاظ استعمال فرمائے ۔ جن سے دعا کے صوری اور معنوی حسن میں اضافہ ہوا ۔ اور انسان کو یاد کرنے میں بھی آسانی ہوئی لیکن یہ کلام نہ شعر ہے نہ سجع ، جیسا کہ جاحظ کا قول ہے

وکان الذی کرہ الاسجاع بعینھا و ان کانت دون الشعر فی التکلف و الصنعتہ (۳۸)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجع کو ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے ۔ اگرچہ تکلف اور اپنی ساخت کے لحاظ سے وہ شعر بھی نہیں ہے

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھے کہ آپ جو دعائیں مانگتے ہیں وہ پوری ملت اسلامیہ بلکہ ساری انسانیت کے لئے ہیں۔ اس لئے آپ نے دعاؤں میں نہایت مناسب الفاظ استعمال فرمائے۔ ایسے الفاظ جو بھلائی اور خیر کی عکاسی کریں اور زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہوں۔ کیونکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ نہ صرف زبانوں کی ترقی کا سفر جاری رہتا ہے بلکہ الفاظ ، محاورات اور روز مرہ کے معانی ، مفاھیم اور تعبیرات میں ردو بدل ہوتا رہتا ہے۔ لیکن "ادعیہ ماثورہ" ایسی تبدیلیوں سے مبرا ہیں۔ چنانچہ عہد رسالت ماب کی ادعیہ ہر زمانہ میں من و عن انسانیت کے زیر استعمال رہیں اور مستقبل کا انسان بھی ان دعاؤں سے فیض یاب ہوتا رہے گا۔ کیونکہ ان کے الفاظ کی ادبی اور روحانی قوت ان کی قبولیت کی دلیل ہیں۔ یہ دعا ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس گفتگو کر رہے تھے ' کہ ان میں سے ایک شخص کو غصہ آ گیا اس پر رحمت عالم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی دعا سکھاتا ہوں جو تمہیں غصے سے ہمیشہ نجات دلاتی رہے گی ۔ چنانچہ آپ نے یہ دعا سکھائی ۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرحیم (سنن ترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۵۱۶)(۳۹)

تعوذ بجائے خود ایک ایسی دعا ہے جس کی ادبی قدرو قیمت مسلمہ ہے اور اہل لغت ' علماء صرف و نحو نے تعوذ کے بارے میں طویل اور مفید بحثیں کی ہیں ۔ نیز بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم نے بتایا کہ انہوں نے اس روحانی نسخہ کو بروئے کار لا کر بارہا غصہ سے نجات پائی ۔

ادعیہ کے اختتام میں عموماً لفظ "آمین" کہا جاتا ہے ۔ دعاؤں کا یہی مسنون طریقہ ہے اس لفظ کا معنی ہے استجاب (۴۰) " اے پروردگار" ! میری دعا قبول فرما ! یہ لفظ عربی اور دیگر سامی زبانوں میں اس مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ جب اجتماعی دعا کے آخر میں سب دعا کرنے والے افراد بیک زبان یہ لفظ ادا کرتے ہیں ۔ تو ایک ایسا سماں پیدا ہوتا ہے ۔ جس میں اللہ تعالی کی عظمت کا پر تو نمایاں ہوتا ہے اور بندے اس امید سے سرشار ہوتے ہیں ۔ کہ ان کی دعائیں شرف قبولیت پائیں گی ۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے "ادعیہ ماثورہ" سے چند ادبی نکات بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اگرچہ یہ نکات ادعیہ کے تمام فنی پہلوؤں اور ادبی محاسن کا احاطہ نہیں کرتے ۔ تاہم ان کے ذریعے اس موضوع پر روشنی پڑتی ہے کہ حدیث نبوی کی دیگر اصناف کی طرح " ادعیہ ماثورہ" سے بھی عربی ادب کو نہ صرف نئے نئے الفاظ ' محاورات ' مفاہیم اور تعبیرات میسر آئیں ۔ بلکہ دعاؤں نے انسانی قلب و روح کو بھی جلا بخشی اور انسان کو اپنے خالق حضور ' اس طرح لا کھڑا کیا ' کہ بندے اور آقا اور خالق و مخلوق کا فرق واضح ہو گیا ۔ جو اسلامی تعلیمات کا بنیادی عنصر ہے ۔

مصادر و حواشی

۱۔ اس جملہ میں اللہ تعالی کے ارشاد "فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم" (سورۃ بقرہ آیت ۳۷) کی طرف اشارہ ہے مفسرین کرام نے لکھا ہے۔ کہ اس آیت کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے دعا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین" (سورۃ الاعراف آیت ۲۳) سکھائی گئی تھی۔

۲۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ وہی چیز دنیا میں باقی رہ سکتی ہے۔ جو انسانیت کی بھلائی کے لئے ہو۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (سورۃ الرعد آیت ۱۷)۔

۳۔ الطنطاوی الدکتور محمد السید' الدعاء ص ۱۱' القاہرہ الامانتہ العامہ نشر الثقافہ الاسلامیہ' ۱۹۷۶ء۔

۴۔ اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم میں بہت سی آیات موجود ہیں ملاحظہ فرمایئے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۶ سورہ النمل آیت ۶۲ اور سورۃ المومن آیت نمبر ۶۰۔

۵۔ سورۃ الفاتحہ آیت ۵ سورۃ الاعراف آیت ۱۹۹ سورۃ طہ آیت ۸۳۔

۶۔ دعا کی ترغیب دینے کے لئے ارشادات نبوی سنن ترمذی کی کتاب الدعوات میں جمع کر دیئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(ا) ان الدعاء ینفع مما نزل و مما لم ینزل دعا نازل اور نازل آنے والی مصیبتوں کو ٹالنے کیلئے مفید ہے۔

(ب) الدعاء ھوا العبادہ دعا ہی عبادت ہے۔

(ج) افضل العبادۃ انتظار الفرج تنگی میں فراخی کا انتظار عمدہ عبادت ہے۔

(د) من لم یسال اللہ یغضب علیہ سوال نہ کرنے سے اللہ تعالی ناراض ہوتا ہے۔

(ہ) لیس شی اکرم علی اللہ من الدعاء اللہ تعالی کے ہاں دعا سب سے معزز عمل ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی کے علاوہ ادعیہ ماثورہ پر درج ذیل کتب نظر سے گزری ہیں۔

(ا) الکلم الطیب امام ابن تیمیہ الحرانی الدمشقی متوفی ۷۲۸۔

(ب) الورد المصفی المختار ' عبد العزیز بن عبد الرحمن النفیس آل سعود طبع انصار اللہ المحمدیہ لاہور ۱۹۸۷ء۔

(ج) الدعاء الدکتور محمد السید الطنطاوی۔

(د) شیخ الاسلام ابن تیمیہ انواع الاستفتاح فی الصلوۃ و انواع الاذکارہ۔ حصن حصین لاہور تاج کمپنی پاکستان۔

(و) حکیم اللہ جہان آبادی مرقع کلیمی طبع مجتبائی دھلی ۱۳۱۱ھ۔

(ز) زین الدین رجب الحنبلی لطائف المعارف ' مصر عیسی بابی الحلبی ۱۳۴۲ھ۔

(ک) النووی المتوفی محی الدین المتوفی ۶۷۶ ' حلیۃ الابرار و شعار الاخیار ' ریاض۔

(ل) محمد بن علان الصدیقی ' الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویہ فی مجلدین ' مکتبۃ الاسلامیہ ' الریاض۔

(م) امام زین العابدین۔ صحیفہ اسجادیہ تہران ۱۹۸۴ء۔

(ن) البخاری محمد سعید۔ کتاب الدعا طبرانی ۳ جلدیں دارالدراسات الاسلامیہ بیروت ۱۹۸۰ء۔

(ف) القیہ والی عبد الجلیل۔ تنبیہہ الانام اشفاء الاسلام مصر ' مصطفیٰ البابی ۱۳۲۸ھ۔

(۸) ۔ اس بیان کا مخص منظر یہ ہے۔ کہ مسلمانوں نے جب بہت سے علوم و فنون وضع کئے اور انہیں ترقی دی۔ تو ان علوم و فنون کے بنیادی اصول کا خمیر قرآن و حدیث نبویؐ کے مواد سے اٹھایا۔ الفاظ کی صرفی ساخت متعین کرتے وقت علمائے صرف قرآن و حدیث سے استشہاد کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے علم الصرف کی کتب میزان الصرف اور منشعب وغیرہ جب جملہ کی ترکیب اور مختلف نحوی عوامل ' صلات کے استعمال اور اسم ' فعل یا متعلقات فعل وغیرہ پر بحث کی جاتی ہے نیز کوفی اور بصری علمائے نحو کے اختلافات بیان کرتے وقت بھی علمائے نحو قرآن حکیم اور کتب حدیث سے ہی استشہاد کرتے ہیں۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے کتاب سیبویہ 'کتاب المفصل حاشیہ عبد الغفور اور شرح جامی وغیرہ کتب نحو کا مطالعہ کیجئے۔

لغت میں الفاظ کے معانی اور معانی کی مختلف جہتیں اور باریکیاں متعین کرتے وقت نیز الفاظ مترادف یا متضاد الفاظ کے معانی بیان کرتے وقت بھی کتب و حدیث سے ہی مثالیں اخذ کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے العباب الذاخر اور مجمع البحرین ۔ساغانی القاموس فیروز آبادی السان العرب لمنظور افریقی۔ اسی طرح علم معانی ' علم بیان اور علم بدیع کی کتب بھی حدیث کا یہ پہلو اجاگر کرتی ہیں۔

(۹) ۔ ان دعائیہ الفاظ کا معنی ہے "اے پروردگار! مجھے اپنے بلند ترین ساتھی سے ملا"

(۱۰) ۔ الدعاء مخ العبادہ ' الترمذی ' ابوعیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۴۳۱ طبع بیروت ۱۹۰۸ء۔

(۱۱) ۔ اے میرے پروردگار! مجھے عمدہ ادب کی تعلیم دے۔ العجلونی ' کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۱ ص ۷۲ ' مکتبہ دارالتراث۔

(۱۲) ۔ زمخشری الکشاف ج ۱ ص ۵۲۷ طبع بیروت ' دارالکتاب العربی۔

(۱۳) ۔ القرطبی ' محمد بن احمد الانصاری ' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵ ' القاہرہ دارالکتب المصر ۱۹۶۷/ ۱۳۵۶ھ۔

(۱۴) ۔ الترمذی ' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ' بیروت دار الفکر ۱۹۸۰ء۔

(۱۵) ۔ الترمذی ' ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۶۶۰ ' بیروت ۱۹۸۰ء۔

(۱۶) ۔ الترمذی ' ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ السنن الترمذی ' مسلسل حدیث نمبر ۳۵۶۲ بیروت ۱۹۹۰ء۔

(۱۷) ۔ البیضاوی قاضی ناصرالدین ' انوار التنزیل ج ۱ ص ۵ طبع دار السعادہ ۱۳۱۴ھ۔

(۱۸) ۔ محمد حمید اللہ ' الوثائق السیاسیہ ص ۳۶ طبع بیروت ۱۳۸۹ھ۔

(۱۹) ۔ منظور افریقی ' لسان العرب مادہ لفظ اللہ طبع بیروت۔

(۲۰) ۔ راغب اصفہانی مفردات القرآن ص ۱۸۲۔۱۸۳ طبع کراچی ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۱ء۔

(۲۱) ۔ اس آیت کی طرف اشارہ ہے ہو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفتہ ثم من علقتہ (سورۃ المومن --- آیت ۶۷) اس امر کی تکمیل دوسری آیت سے ہوتی ہے کما ربینی صغیرا (سورۃ الاسراء آیت ۲۴)۔

(۲۲) ۔ اس امر کی تائید قرآنی دعاؤں سے ہوتی ہے ۔ صرف سورۃ البقرۃ کی چند دعائیں ملاحظہ فرمائیے ۔

(ا) ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

(ب) ربنا واجعلنا مسلمین لک

(ج) ربنا وابعث فیھم رسولا منھم

(د) ربنا اتنا فی الدنیا حسنہ

(ہ) ربنا لا تو خذ نا انا نسینا او اخطانا

یہ سب دعائیں لفظ "ربنا" سے شروع ہوتی ہیں۔

(۲۳) ۔ یہ مفہوم سورۃ النحل آیت نمبر ۹۸ فا ذا قرات القران فا ستعذ با اللہ من الشیطان الرجیم میں بیان ہوا ہے۔

(۲۴) ۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر۱۸۶ " واذا سالک عبادی عنی فانی قریب" اسی مفہوم کو واضح کرتی ہے۔

(۲۵) ۔ "و رحمتی وسعت کل شئی" سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۶ کے ذریعے یہی تعلیم دی گئی ہے کہ دعاؤں کی قبولیت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے ۔ قبولیت دعا میں بندے کا استحقاق نہیں ہوتا اور نہ ہی تگ و دو یا محنت کا ثمرہ ہے۔

(۲۶) ۔ زمخشری جار اللہ ' الکشاف ج ۲ ص ۶۳۶ طبع بیروت ' دارالکتاب العربی۔

(۲۷) ۔ الوسی ' شہاب الدین محمود ' روح المعانی ج ۱۵ ص ۳ طبع دمشق المطبع المنیریہ۔

(۲۸) ۔ الترمذی ' ابو عیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۴۸۲ ' بیروت ۱۹۸۰ء۔

(۲۹) ۔ الترمذی ' ابو عیسیٰ ' سنن الترمذی ' مسلسل حدیث نمبر ۳۴۷۹ بیروت ' دار لفکر ۱۹۸۰ء۔

(۳۰) ۔ الترمذی ' امام ابو عیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۶۶۹ بیروت ' دارا لفکر ۱۹۸۰ء۔

(۳۱) ۔ الترمذی ' امام ابو عیسیٰ ' سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر ۳۵۸۸ اور حدیث نمبر طبع بیروت دارا لفکر ۱۹۸۰ء۔

(۳۲) ۔ ابو داؤد سجستانی ' سنن ابی داؤد ج ص طبع دارا لفکر بیروت۔

(۳۳) ۔ اس حدیث کو امام غزالی نے علم الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے۔ لیکن مکمل حوالہ نہیں مل سکا۔

(۳۴) ۔ الترمذی' ابو عیسیٰ سنن الترمذی مسلسل حدیث نمبر بیروت دارا لفکر ۱۹۸۰ء۔ (بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

حافظ محمد اقبال رنگونی ۔ مانچسٹر

اسلام کی جدید تشریح کے شیدائی

بحث و تنقید کا نیا اسلوب اور فکر و تخیّل کے نئے زاویے

اس دور پر فتن میں اکابرین ملت اور اساطین امت کے بارے میں زہر فشانی اور ان کے خلاف بدگمانی و بد زبانی نے ایک فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ نئی تحقیق کے مدعی اور نئی روشنی سے مرعوب رہنما اور مفکرین سارا زور اسی پر صرف کر رہے ہیں کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کو جس طرح بھی ہو پائے اپنے اسلاف سے بدگمان کر دیا جائے ہر نیا محقق اور مفکر یہی صدا لگا رہا ہے کہ اکابرین سلف نے وقت کے تقاضوں کو نہ سمجھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ بس وہ اسی بات پر اپنی محنت اور صلاحیتیں خرچ کرتے رہے کہ دین کا تحفظ کس طرح کیا جائے اور نقل و روایات اور عقائد و نظریات کے گرد کس طرح پہرہ بٹھایا جائے۔ اس کے سوا ان حضرات نے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ نہ انہوں نے موجودہ دور کی بدلتی ہوئی صورت حال پر نظر کی اور نہ اس کی کوئی فکر کی۔

یہ بات کون کہہ رہے ہیں؟ وہی جو خود کسی مثبت کردار میں قوم کی کوئی خدمت نہیں کر سکے۔ اکابرین سلف کے خلاف یہ گندا لاوا کہاں سے آ رہا ہے؟ یہ ان لوگوں کا غیظ و غصہ ہے نہ جو نہ علماء کی دینی قیادت برداشت کر سکے اور نہ اس کے مقابل قوم کو کوئی اور دینی قیادت دے سکے۔ پھر یہ کہ اسلاف سے دین کا جو تحفظاتی کام کیا افسوس کہ وہ بھی انہیں گوارا نہ ہو سکا۔ اور اس اہم خدمت کو معمولی بنانے اور بے فائدہ قرار دینے کی جو ممکن اور ناممکن راہ انہیں مل سکی وہ اسے کھونا قوم کی بہت بڑی خدمت سمجھتے رہے۔

موجودہ دور کے ایک مفکر مولانا وحید الدین خاں جنہیں دینی راہنمائی کرتے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر رہا ہے اور اس دوران وہ ایک فکری کام کے سوا اسلام کا کوئی تعمیری کام نہیں کر پائے وہ اپنے عمر بھر کے افکار کا ملبہ امام الہند حضرت مولانا الشاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ پر جس بھونڈے انداز میں پھینک رہے ہیں وہ قابل افسوس ہی نہیں قابل صد مذمت بھی ہے۔ موصوف اپنے "الرسالہ" کے خصوصی شمارے میں لکھتے ہیں۔

آخری نتیجہ کے اعتبار سے دیکھیے تو یہ واقعہ شاہ ولی اللہ کے کارنامہ کے خانہ میں درج کرنے کے بجائے اس قابل نظر آئے گا کہ اس کو ان کی بے بصیرتی کے خانہ میں لکھا جائے (جولائی ۹۳ء ص ۱۷)

اس سے قبل آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ۔

اس قسم کے مختلف کام (قرآن کا فارسی میں ترجمہ کرنا۔ مدرسہ قائم کرنا اور دوسری خدمات دینیہ وغیرہ) جو شاہ ولی اللہ نے انجام دیئے وہ سب اپنی نوعیت کے اعتبار سے تحفظاتی کام ہیں نہ کہ قائدانہ کام ــــ ان کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ قائدانہ نوعیت کی ایک خدمت قرار دی جا سکتی بشرطیکہ وہ اسم بامسمی ہوتی ــــ شاہ صاحب کی یہ کتاب اپنے اسلوب کے اعتبار سے دین الہٰی کی صرف تقلیدی تبیین ہے وہ دین الہٰی کی عقلی تبیین نہیں (ایضاً ص۱۲)

مولانا وحید الدین خان حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے اس لیے ناراض ہیں کہ آپ نے اسلام کی وہ تشریح کیوں نہ کی جو جدید ذہنوں کے معیار پر پوری اترے اس کے بجائے آپ تقلیدی تشریح ہی کیوں کرتے رہے۔ آپ کا اسلام کی تقلیدی تشریح کرنا بتلاتا ہے کہ آپ ان عالمی تبدیلیوں سے یکسر بے خبر تھے (دیکھئے ص۱۶) پھر آپ کا سلطنت کے سامنے جہاد بالسیف کی تقریر ایسا ہی ہے جیسے مردہ لاشوں کے سامنے رجز پڑھنا (ص۱۷)

مولانا وحید الدین خان نے الرسالہ کے انہی صفحات میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ۔ حضرت شیخ سید احمد بریلویؒ، حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور آزادی ہند کی تحریک کے رہنماؤں کو بھی اپنے طنز و تبصرہ کا نشانہ بنایا ہے کہ یہ حضرات انگریزی اقتدار کے کیوں مخالف رہے؟ اور کیوں ان کے خلاف میدان عمل میں اتر آئے تھے۔ اور انہوں نے کیوں ان کے خلاف قائدانہ کردار ادا کیا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک موصوف کے نزدیک باغیانہ تحریک تھی اور ان کے قائدین علماء کو موصوف باغی سمجھتے ہیں آپ لکھتے ہیں ۔

اس وقت کے علماء جو اس بغاوت میں قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے ۔ (ص۲۰)

باغی کون ہوتا ہے؟ جو دوسرے کی سلطنت دبائے اپنے ملک کو واپس لینے کی جدوجہد کو بغاوت کہنا جدید ذہن کی ہی ہمت ہو سکتی ہے علمی دنیا میں اسے کہیں تائید نہیں مل سکتی ۔

کیا یہی وہ آواز نہیں جو متحدہ ہندوستان میں انگریز لگا رہے تھے اور کیا یہ وہ انداز نہیں جو سرسید احمد خاں صاحب اور مولوی چراغ علی صاحب نے اپنایا ہوا تھا۔ اس کے باوجود انہیں کوئی کامیابی نہ ہو سکی تھی علماء نے قائدانہ کردار ادا کیا اور انگریز سامراج کے خلاف وہ نفرت پھیلائی کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریز بین الاقوامی دباؤ کے تحت اپنے کل نو آبادیات کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے یہ ایسا قائدانہ کردار تھا کہ انگریزی اقتدار بالآخر ختم ہو کر رہا ــــ جو ہونا تھا ہو گیا جانے والے چلے بھی گئے معلوم نہیں اب مولانا وحید الدین خان صاحب اس جہاد کو بغاوت اور مجاہدین کو باغی کہہ کر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور دیگر اکابرین نے اپنے اپنے وقت میں قائدانہ کردار ادا کیا یا نہیں ہم اس بحث میں الجھے بغیر یہ پوچھنا چاہیں گے کہ دین کا تحفظ اور عقائد و نظریات کے گرد ایک مضبوط حصار قائم کرنا کیا یہ کوئی کم خدمت ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کوشش تھی کہ دین الٰہی کا تحفظ اور اس کی تبیین اسی طرح ہونی چاہیئے جو اپنے اسلاف سے چلی آرہی ہے۔ حضرات خلفائے راشدین، ائمہ مجتہدین اور اساطین دین نے دین کی جو تشریح و تبیین کی ظاہر ہے کہ وہی دراصل منشاء الٰہی ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث کے مفاہیم و معانی انہوں نے براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے اخذ کیے تھے اور بعد والوں نے اصحاب رسول سے دین الٰہی کی تشریح معلوم کی اور خلف نے سلف سے جو کچھ لیا وہی بغیر کسی کمی بیشی تغیر و تبدل کے آگے پہنچا دیا۔

عقل و فلسفہ کی روشنی میں دین الٰہی کی تبیین کا دعویٰ خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی نہیں فرمایا آپ کے نزدیک دین کی وہی تعبیر و تاویل حق تھی جو حضرات خلفائے راشدین اور ائمہ مجتہدین سے مروی ہو اور جو شخص اس اصل سے ہٹ کر محض عقل و فلسفہ کی روشنی میں دین الٰہی کی تبیین کرے گا وہ مرادات الٰہی پانے کا دعویٰ کرے تو اس کا یہ دعویٰ ہرگز قابل تسلیم نہ ہو سکے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے اس کی کوشش کی کہ خلافت راشدہ کی صحت کو ہی مشکوک بنا دیا جائے اور دین الٰہی کی تبیین و تشریح میں صحابہ کرام کی ذوات مقدسہ کو حجت نہ سمجھا جائے تاکہ دین کی تشریح و تبیین من مانی انداز میں کی جا سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس پر سخت گرفت فرمائی اور بتلایا کہ جو لوگ اس اصل کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے اسلاف سے بے گانہ ہو رہے ہیں ان کی ان سے بدگمان کی فضا پیدا کرنا درحقیقت تمام فنون دینیہ کو منہدم کرنا ہے۔

آپ لکھتے ہیں۔

ہر کہ شکستن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ می خواہد

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۱)

ترجمہ، جو شخص بھی اس اصل کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ حقیقت میں تمام فنون دینیہ کو گرانا چاہتا ہے۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ دین کی تبیین و تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے۔ صحابہ کرامؓ فرق باطلہ کے مقابلے پر اسی تبیین کو لے کر گئے تھے۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا تو آپ نے صاف فرما دیا تھا کہ ان کے سامنے قرآن سے استدلال نہ کرنا سنت سے استدلال کرنا یہ وہ راہ ہے جس سے وہ بھاگ نہ سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ دور بھی کسی نہ کسی درجے

میں جدید ہی تھا۔ مگر ان اکابرین نے دین کی محض عقلی تبیین نہیں کی نقل و روایات کو ہمیشہ اولیت دی۔ اور جن لوگوں نے نقل و روایات کے بجائے محض اور محض عقل و فلسفہ کا دامن تھاما تھا انہوں نے اسلام کی کئی ایسی بنیادوں کا انکار کر دیا جو ان کے خیال میں عقل و فلسفہ کے ترازو پر نہ تل سکتی تھیں۔ سر سید احمد خاں اور مولوی چراغ علی اور اس قسم کے جدید مفکروں نے مرادات الہٰی کی جو غلط "تاویلات" کیں اور قرآن و حدیث میں تاویل و تحریف کی جو روش اپنائی اس پر آج مسلمانوں کی گردنیں ندامت سے جھک جاتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی دور رس نگاہ دیکھ رہی تھی کہ دین الہٰی کا تحفظ اگر تقلیدی تشریح کے طور پر نہ کیا جائے تو وقت آنے پر اسلام کی بنیادوں میں تاویل و تشکیک کے زہریلے کانٹے بری طرح بکھیر دیئے جائیں گے سو آپ نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور ہندوستان میں دین الہٰی کے تحفظ کی سعادت حاصل کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے دور سے کون ناواقف ہوگا۔ یہ وہ وقت ہے جب ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت رو بہ زوال تھی۔ داخلی و خارجی دائروں میں اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف سازشیں پورے عروج پر تھیں۔ اسلامی ممالک کی حالت خستہ تھی اور یورپ کا مرد بیمار انگریزوں کے حملے کی زد میں تھا۔ خود ہندوستان میں مسلم معاشرہ شرک و بدعات غلط خیالات و توہمات کی آماجگاہ بن چکا تھا اور ہندوؤں کے بہت سے رسوم و عادات نے جگہ پالی تھی۔ قرآن و سنت سے بے رغبتی اور اس کی عدم اشاعت عام تھی، عام علماء غفلت کا شکار تھے اور اسلامی حکومت آرام طلب شہزادوں کی آرام گاہ تھی، ابوالفضل اور فیضی کے جانشین علماء علوم حکمت میں مصروف و مشغول تھے اور مسلم معاشرہ کی اس زبوں حالی کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کیے ہوئے تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ حالت مسلم معاشرہ کو آخر کہاں لا کھڑا کر دے گی۔ عقل و فلسفہ کے پرستار انہیں اپنے اسلاف سے وابستہ رکھنے کے بجائے جدید انداز کو اپنانے کی دعوت دے رہے تھے اور امت مسلمہ اسلامی عقائد و نظریات سے بالکل خالی ہوتی جا رہی تھی۔ اس اہم اور نازک موڑ پر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے دین الہٰی کا جس طرح تحفظ کیا اور اس کی اشاعت میں جو خدمت کی اور اہل اسلام کو اپنے اسلاف سے وابستہ کرنے کی جو کامیاب محنت کی کوئی صاحبِ علم اس کا انکار نہیں کر سکتا یہاں تک کہ انہیں بارہویں صدی کا مجدد تسلیم کیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس سے اتفاق نہ کیا بے چارے اب تک بطور مجدد کوئی دوسرا امام سامنے نہ لا سکے۔

مولانا حالی نے سچ کہا ہے۔

آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے ——— تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

استاد محترم مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ
ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد مسلمانوں کی سلطنت زوال کی طرف جا رہی تھی اور جو مسلم حکمران خود مختار ہو گئے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ انحطاط کا شکار ہو رہے تھے ۔مغل تاج برائے نام رہ گیا تھا اور انگریز ہر سمت پھیل رہے تھے ۔بہت سے والیان ریاست نے محض اس لیے کہ ان کے اسباب عیش و عشرت باقی رہیں ۔اقتدار کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا تھا اور مسلمان اپنی روایات سے بہت دور چلے گئے تھے ۔جن مسلم قوتوں نے اس بجھتے ہوئے چراغ میں اپنا خون جلایا ان میں سلطان ٹیپو امید کی آخری کرن تھے ۔ ان کے بعد کوئی مسلم سلطنت ایسی نہ رہی تھی جس میں قوم کی عظمت رفتہ کی کوئی جھلک باقی ہو ۔مسلمانوں پر یاس طاری تھا اور غیر مسلموں کا اقتدار سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا پنجاب سکھوں کو مل گیا تھا اور وسط ہند میں مرہٹے اپنا کام کر رہے تھے ۔
مسلم زوال کے انہی کھنڈرات میں ایک عظیم شخصیت ابھری جس نے قوم کی نبض پر ہاتھ رکھا قوموں کے عروج و زوال پر عبرت خیز بحث کی اور قوم کو اس محبت خداوندی کا درس دیا جو پوری ہو کر رہتی ہے ـــــ یہ بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اللہ البالغہ کے مصنف تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے علوم و معارف کی تجدید و تدوین سے مسلمانوں کے تن مردہ میں زندگی کی روح پھونکی ، سیاسی تنزل کے دور میں علم و فکر کا تحفظ کیا اور ظلمت کدۂ ہند میں علم و فضل کے وہ چراغ روشن کیے جن کی تابانی آج بھی قوم کو روشنی بخش رہی ہے ۔ سیاسی زوال کے دور میں اسلامی عقائد اور مسلم روایات کا تحفظ ایک ایسی زمین تھی جس پر آئندہ قصر آزادی کی بقاء رکھی جا سکتی تھی یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی فکر تھی جو پہلے بالاکوٹ میں عمل بن کر ابھری اور یہی وہ روح عمل تھی جس نے ۱۸۵۷ء کے تاریک خاکے میں رنگ بھرا ۔کبھی یہ روح عمل تحریک خلافت میں تڑپی اور جو چراغ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جلائے تھے وہ آئندہ آنے والی آزادی کی ہر تحریک میں اپنے خون کا رنگ بھرتے رہے ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(شاہ اسماعیل شہیدؒ ص ۱۲)

مولانا وحید الدین خان صاحب اگر مذکورہ تحریر سے متفق نہ ہوں تو انہیں کم از کم اپنے سابق امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی اس تحریر سے تو ضرور اتفاق کرنا چاہیئے تھا کہ ۔
مجدد کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب ہے اس پر وہ اپنی نظر جما سکیں اور اپنی تمام سعی و عمل کو اسی سمت میں مرکوز کر دیں یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحبؒ نے

اس خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دے دیا ہے۔ (الفرقان لکھنؤ شاہ ولی اللہ نمبر ص۱۰۲)

اس تفصیل کی روشنی میں یہ کہنا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے صرف تحفظاتی کام کیا کوئی قائدانہ کردار ادا نہیں کیا یہ خود انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جن کے اپنے قدم قیادت میں آتے لڑکھڑاتے ہوں۔ معرکہ بالاکوٹ ہو یا تحریک ریشمی رومال یا تحریک خلافت۔ ان تاریخی معرکوں کی اساس وہی تحفظاتی کام ہے جس کی بنیادیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے پہلے مہیا کر دی تھیں اور ان تاریخی معرکوں کے رہنماؤں نے اس کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے قائدانہ کردار کو خراج تحسین بھی پیش کیا ہے۔ تحریک آزادی ہند کے عظیم رہنما اور اس تحریک کے ممتاز قافلہ سالار حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

سرزمین ہند میں اگر صرف وہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لیے یہی فخر کافی تھا (الفرقان نمبر ص۲۶)

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نظریات اور آپ کے انداز سے کسی کو کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن اس بات سے کسی کو اختلاف نہ ہو گا کہ آپ ایک جدید پیرا اور انداز فکر رکھتے تھے۔ اور یہ بات بھی ہر خاص و عام جانتا ہے کہ مولانا سندھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے حد درجہ متاثر تھے اور انہی کے بنائے ہوئے خاکوں میں رنگ بھرنے بعد میں آنے والے جملہ قائدین انہی کے خطوط پر اپنی تحریک استوار کرتے رہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قائدانہ کردار ادا نہ کیا تھا اور مولانا وحید الدین خان صاحب کے بقول آپ اگر اس قدر بے بصیرت تھے تو ان تاریخی اہمیت کے حامل رہنماؤں نے ان عظیم معرکوں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خطوط پر کیوں کام کیا؟

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنی ساری علمی فکری دینی و سیاسی محنتوں کا مرکز حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو ہی ٹھہرایا ہے۔ آپ کے یہ الفاظ جس گہری عقیدت و محبت کے مظہر ہیں اسے دیکھئے۔

ونقول بہ قال بہ شیخ شیوخنا ومقدم جماعتنا مولانا الامام الشاہ ولی اللہ الدھلوی قدس اللہ (فتح الملہم شرح مسلم جلد ا ص۱۰۸)

ہم مولانا وحید الدین خان صاحب سے درخواست کریں گے کہ اپنے اسلاف کے خلاف اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے اجتناب کریں تو یہ ان کے حق میں بھی بہتر ہو گا۔ آسمان پر تھو کا جائے تو تھوک آسمان پر نہیں خود اپنے منہ پر ہی آتا ہے۔ اس امت کی فلاح و صلاح اسی میں ہے کہ اپنے اکابرین سے وابستہ رہے اور ان کے نقش عمل پر قیادت و سیاست کا رخ موڑا جائے نہ یہ کہ اپنے اسلاف

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۴ پر)

Safety
instant milk

مولانا سید محمد انظر شاہ دیوبند انڈیا

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے ایک روحانی ملاقات

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ کی زیر تالیف کتاب "چراغ محمد" سے ایک اقتباس

"امام المسلمین، امیر المؤمنین فی الحدیث، پیکر شجاعت، مجسمۂ عبادت، قافلۂ زہد و قناعت، فرنگی اقتدار کے لیے موت کا سناٹا، غیر ملکی استبداد کے لیے قیامتِ کبریٰ، جس کا دن قال اللہ وقال الرسول سے معروف اوائلِ شب مہمانوں کی خدمت میں، انتہاء شب بحضور رب العالمین، سپیدۂ سحری انہیں مصروف بکاء پاتا، آفتاب کی کرنیں طلوع کے لیے بے تاب ہوتیں تو وہ خانۂ خدا میں سجدہ ریز، جمیعۃ العلماء ہند کے صدر، دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین، ہندوستان کی متعدد جیلیں اس وجودِ مقدس سے نکلے ہوئے کلمۂ ہُو وحق کی امین، مہمان نوازی میں اُسوۂ ابراہیم پر مستقیم، اعلاءِ کلمۃ الحق میں جلالِ فاروقی کے مظہر، مدتوں سکونت و اقامت مدینہ منورہ رہی، اس زمینِ پاک سے عربی طور و طریق اور اخلاقِ نبوی کے حامل بن کر چمکے تو ظلمت کدۂ ہند میں نورِ سنت کی ضوفگنی ان کے عصر میں ان کے حصہ میں آئی، فرنگی اقتدار سے نفرت و وحشت اکابر نے ان کے آتش دانِ سینہ میں منتقل کر دی، پھر وہ خود ہی فرنگیوں کے خلاف کوہِ آتش بن گئے، ۱۹۴۷ء میں جب وہ شباب سے نکل کر شب میں داخل ہوئے تو یورپ کے اقتدار کا آفتابِ نیم روز ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اس طرح وہ ان خوش بخت لوگوں میں تھے جنہوں نے اپنی جہد کی کامیابی اپنی زندگی ہی میں دیکھ لی"۔

(مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۹۸)

چلنے والے کے قدم "دارالحدیث" کی مقدس درسگاہ کے قریب پہنچ کر اچانک رُک گئے اور نگاہیں در و دیوار سے گذر کر اس مسندِ علم وفضل پر جم گئیں جہاں بیٹھ کر ربع صدی تک عرب وعجم کے شیخ نے علم وفضل کے موتی لٹائے تھے، معرفت وسلوک کے دریا بہائے تھے، یہ وہی مسند ہے جس پر عربی لباس میں ملبوس ایک نورِ مجسم قال اللہ وقال الرسول کو عربی لب ولہجہ میں شروع کرتا تھا تو اس کی وجد آفریں آواز پر در و دیوار ہمہ

تن گوش بن جاتے، قدوسیوں کے ہجوم جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کے لیے آسمان سے اُتر آتے، یہ وہی جگہ ہے جہاں پر اپنے خدا کا ایک مقدس بندہ زہد و توکل، عفاف و غنا، تورع و تقویٰ کی ایک متحرک تصویر بن کر سامنے آتا جس کے فرق سے تا بقدم اِتباعِ شریعت کے ثبوت بہم پہنچتے، اور جس کی زندگی کا ہر گوشہ شریعتِ مصطفوی کا نکتہ شناس اور رازداں نظر آتا، وہ تلامذہ کے ہجوم میں خرام ناز کرتا ہوا یہاں سے چل کر آتا، وہ علم و کمال کا کوہِ گراں سُبک گامی کرتا ہوا یہاں سے نکلتا، وہ چل کر آتا تو مشامِ جاں اس کی عطر بیزیوں سے معطر ہو جاتے، وہ جدھر سے نکل جاتا تو عودِ عطر کے جھونکے دل و دماغ کو راحت دیتے ہوئے گذر جاتے۔ غرضیکہ نگاہوں میں ایک ایک منظر گھوم رہا تھا اور دماغ کے تمام گوشوں میں مرحوم کی یاد تازہ ہو رہی تھی، چلنے والے نے استغراق کے عالم میں اپنے قدم آگے بڑھائے لیکن رنج و غم کی کلفتیں بھی اس کے ساتھ ہولیں، تمام رات فرش و بالیں پر اضطراب سے کروٹیں بدلیں، ہر تار بستر، خار بستر ثابت ہوا، وہی تصور، اسی کی یاد، خیالات کے ہجوم، افکار کے بادل سر پر منڈلاتے رہے، صبح کی آمد آمد ہے، رات اپنی تاریکیوں کے ساتھ رخصت ہوا چاہتی ہے، باہر نکل کر دیکھا تو اُفقِ عالم پر چاند اپنی پھیکی روشنی کے ساتھ زندگی کے آخری سانس لے رہا ہے، ستاروں کا ہجوم غمگساری کے لیے موجود ہے لیکن نور کے یہ ٹمٹماتے ہوئے چراغ بھی بڑھ کر خاموش ہو رہے ہیں، اِنسانوں کی بستی سے بہت دور کنارۂ عالم پر صبح کی سپیدی تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے منورّ صبح کے ہنگاموں سے ساری کائنات لبریز ہوگئی، یہ طائرانِ خوش آواز کے ہجوم ہیں جو آشیانوں سے نکل رہے ہیں، یہ نسیم سحری کے دلنواز جھونکے ہیں جو فضا کو معطر کرنے کے لیے پوری قوت سے دوڑ رہے ہیں ہر طرف زندگی رقصاں نظر آتی ہے اور ہر سو ایک نئی حیات تمام ولولوں کے ساتھ اُچھلتی پھر رہی ہے، لیکن کائنات کے ان ہنگاموں میں اور قدرت کی ان تمام چارہ سازیوں سے اس الم رسیدہ کی کوئی تسلی نہ ہو سکی جس نے رات کی گھڑیاں ایک مقدس اِنسان کی یاد میں گذاری تھیں وہ بستر سے اُٹھا، لڑکھڑاتا ہوا سوئے گورِ غریباں چل دیا، اِنسانوں کی اِس خاموش آبادی میں پہنچ کر اچانک اس کے قدم ٹھہر گئے اور اس بقعہ نور کی ضیاء پاشیوں نے تھوڑی دیر کے لیے اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا کہ خدایا یہ کون سی جگہ ہے جس کے حسین مناظر خوشگوار ہوائیں، پھولوں سے لدے ہوئے درخت، گل و ریحان سے لبریز کیاریاں جنت کے باغات کا منظر پیش کر رہے ہیں، یہ سوچتا ہوا باغ کی رُوپہلی جدولوں اور مرمریں روشوں سے گذر کر، کھڑا ہونے والا جب سامنے آکر کھڑا ہوا تو چند نورانی چہرے، جن کے نورانی اجسام پہ پاکیزگی بکھری ہوئی نظر آتی تھی، جن کے بشروں پر مسرت و فرحت کی چمک رقصاں دکھائی دیتی تھی، کوئی مصحف دربغل، کوئی تسبیح در دست، کوئی مصروف ذکرِ جلی تو کوئی استغراق کی کیفیت میں ڈوبا ہوا نظر آیا، یہ مناجات کر رہا ہے، وہ مشاہدۂ حق میں گم ہے، یہاں اللہ ھُوَ القادر

کے نعرے ہیں تو وہاں ہو حق کی مترنم آوازیں ہیں۔ غرضیکہ ایک نیا منظر، ایک نئی دنیا نگاہوں کے سامنے ہے۔ ع

این کہ می بینم بیدار یست یارب یا بخواب

ان نورانی چہروں میں ایک مانوس شکل نظر آئی، نگاہوں نے تجسس کیا تو وہی پیکرِ حُسن جلوہ گر نظر آیا جس کو نگاہیں ڈھونڈتی تھیں، وہی ترو تازہ جسم، وہی منور شکل وصورت، چہرہ وبشرہ پر کچھ خاص چمک، نئی رونق، مستزاد، بڑھ کر پوری نیازمندیوں کے ساتھ کہنے والے نے کہا کہ السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر قدسیوں کے ہجوم نے جواب دیا۔ اس عالم میں یہ دیکھ کر کہ میری آواز کو سب سُن رہے ہیں، خیال ہوا کہ آخر کیوں نہ ان سے پوچھ لیا جائے کہ سلام کرنے والے کو پہچانتے بھی ہیں یا نہیں؟ گفتگو کا یہ سلسلہ اسی نورِ مجسّم سے شروع ہوا جو میرے مقصود اور متجسس نگاہوں کا مرکز تھا، میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے عرب وعجم کے شیخ کیا آپ نے مجھ کو پہچانا؟

نور و سرور کی اس متحرک تصویر نے جواب دیا ہاں کیوں نہیں! اس عالم میں ہم اُن سب کو پہچانتے ہیں جن سے دنیا میں تعارف اور شناسائی تھی۔

شیخ رحؒ نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سُنا ہی ہوگا کہ۔

"جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گذرتا ہے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا، اور اس کو سلام کرتا ہے تو مُردہ اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے"

(رواہ ابن عبدالبر)

میں نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتائیے کہ یہ چند نورانی اجسام جو سرور و فرحت کے پتلے نورِ ایمان کی شمعیں نظر آتی ہیں، کون ہیں؟

میرے اس سوال پر اب اس خدارسیدہ انسان نے ایک ایک کا تعارف یوں شروع کیا کہ دیکھو سامنے یہ ایک بزرگ جن کے شباب پر کہولت کے آثار ہیں، جن کا لباس نورانی اور جن کا چہرہ انوار و تجلیات کا مرکز نظر آتا ہے، مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہیں جو عمر بھر جاء الحق وزھق الباطل کی زندہ تفسیر بنے رہے آج یہ اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں اور منزل پر پہنچنے کے بعد راحت و آرام سے ہمکنار ہیں، ان کی زندگی میں جو جدوجہد تھی اس کے صلے صبح و شام لیتے لیتے یہ تھکے جاتے ہیں، تم نے ان کے متعلق بہت کچھ سنا ہوگا اس لیے ان کا یہ مختصر تعارف کافی ہے۔

ان کی بغل میں جو ایک بوڑھے نظر آ رہے ہیں یہ وہی ہیں جن کے بڑھاپے میں شباب مچل رہا تھا اور جن کی انقلابی طاقتوں سے عالم کا عالم لرز تا تھا، یجاھدون فی سبیل اللہ والی جماعت انہیں کی قیادت میں کام کرتی تھی، یہ آج اس تصور سے خوش ہیں کہ ہندوستان آزاد ہے، پاکستان آزاد ہے، انڈونیشیا آزاد ہے ملایا آزاد ہے اور مشرقِ وسطیٰ آزادی کے لیے مچل رہا ہے لیکن ابھی ان کا خواب ادھورا ہے، ان کے خواب کی تعبیر کے لیے تم کو کچھ اور سہانی صبحوں کا انتظار کرنا ہوگا۔ تم نے جان لیا ہوگا کہ یہ آقا و مولانا محمود الحسن ہیں جن کے لیے ہم سب نے "شیخ الہند" کا تعظیمی خطاب تجویز کیا تھا۔ یہ اس جانب میں سادگی کا پیکر، تقویٰ و تورع کی نشانی، انسانیت کی تصویر، علم و عمل کی محراب جو تم کو نظر آ رہی ہے قطبِ عالم مولانا عزیز الرحمٰن ہیں جو تفقہ فی الدین کی عظمتوں سے مالا مال ہیں، آج بھی یہ اپنے میں گم ہیں اور یہاں بھی اخفائے احوال کی انہیں کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اس لیے ہم ان کو پہچانتے ہیں لیکن پھر بھی نہیں جانتے۔

اسی دوران میں ابدی آرام گاہوں کے ایک کونہ سے ایک عجیب و غریب شکل سامنے آتی ہوئی دکھائی دی، منحنی جسم، دبلا پتلا انسان، ہاتھ میں ایک بڑی تسبیح جس کے دانے ایک دوسرے پر گرتے تو قدوسیوں کے کان کھڑے ہو جاتے، اس شخص کی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی اور اس کی ہر ہر ادا سے ارادوں کی بلندی نمایاں معلوم ہوتی، یہ شخص کوششوں کی کامیابی کا ثبوت نظر آتا تھا۔

میں نے گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ سامنے سے آنے والے کون ہیں؟ شیخؒ نے فرمایا کہ یہ وہی ہیں جن کے ناخنِ تدبیر کی گرہ کشائیوں کو دیکھ کر وانزلنا الحدید فیہ باس شدید کا منظر سامنے آتا تھا یعنی مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی۔ اور دیکھو یہ ایک چہرہ جس پر علم کا وقار، عفت و پاکبازی کی رونق، ایمان کا نور، انجام کا سرور نظر آ رہا ہے جن کی عینک کے پیچھے سے دو بڑی بڑی آنکھیں جھانک کر آج دار العلوم اور اپنے ہزاروں شاگردوں کی علمی ترقیوں کا جائزہ لے رہی ہیں، حضرت مولانا اعزاز علی ہیں، یہ تمہارے مربّی اور محسن ہیں تم نے ان کو خوب پہچان لیا ہوگا۔

میری اس گفتگو کے درمیان جو بہت سے متحرک اجسام وہاں آکر جمع ہو گئے تھے اُن میں ان دو چار ہی نمایاں اشخاص کے متعلق دریافت کر کے میں نے بات بدلتے ہوئے کہا کہ دنیا میں آپ نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو اپنی آنکھوں سے تو دیکھا نہیں تھا پھر یہاں کیسے پہچانا؟ کیا مُردے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ مقدس انسان نے میرے اس سوال کے جواب میں کہا کہ ہاں ہم ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، اور شیخ نے پھر اس موقع پر یہ حدیث مجھ کو سنائی کہ۔

"امّ بشر بن البراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مُردے

آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ اری خاک میں ملی! روحِ مطمئنہ جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہے، سواگر پرندے درختوں کی ڈالیوں میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ پہچانتے ہیں) تو وہ ارواح بھی ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔''
(اخرجہ ابن سعد)

میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ جب یہاں آئے تھے تو اُسی وقت ان سب سے ملاقات ہوئی یا کچھ عرصہ کے بعد؟ شیخ نے کہا کہ یہ سب اُسی وقت جمع ہوگئے تھے۔ اور یہاں بھی شیخ نے یہ کہہ کر ایک حدیث پیش کی جس کا حاصل یہ تھا کہ۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی رُوح قبض کی جاتی ہے تو خدا کے مرحوم بندے اِس طرح آگے بڑھ کر اُس سے ملتے ہیں جس طرح دنیا میں کسی خوشخبری لانے والے سے ملتے ہیں۔'' (اخرجہ ابن ابی الدنیا)

اب میں نے پوچھا کہ اے مقدس پیکر! اپنے اس ظاہری جسم کو دفن کرنے کے لیے خاص اس موقع کا انتخاب آپ نے فرمایا یا اس میں کوئی لطیفۂ قدرت ہے؟

اس سوال کے جواب میں تھوڑی دیر کے لیے شیخ چپ ہوگئے، اور کچھ سوچ کر فرمایا کہ فیصلہ تو قدرتی ہی ہے لیکن میرا بھی رجحان ادھر ہی تھا۔

میں نے عرض کیا کہ کیا پاکیزہ ارواح کے لیے تو جگہ جگہ کے قبرستان بھی تمنا کرتے ہوں گے؟ شیخ نے فرمایا کہ ہاں تمہارا خیال ٹھیک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

''جب مومن مرتا ہے تو تمام مواقع قبر اس کے مرنے پر اپنی آرائش کرتے ہیں، ان میں کوئی حصہ ایسا نہیں ہوتا جو اس بات کی تمنا نہ کرتا ہو کہ وہ اس میں مدفون ہو۔''
(رواہ ابن عدی)

اب میں نے یہ بھی سوال کرلیا کہ جس روز ہم بدقسمت آپ کے جنازے کو گریاں و بریاں اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے آرہے تھے، انسانوں کا ہجوم تو وہ تھا کہ جس کا نہ شمار اور نہ حساب! لیکن یہ تو بتایئے کہ کیا آپ کے جنازے کے ساتھ کوئی اور بھی مخلوق تھی؟

مولاناؒ نے فرمایا کہ فرشتوں کا ہجوم ساتھ ساتھ چلا آتا تھا جن کو تم نہیں دیکھ پاتے تھے لیکن میں خوب دیکھ رہا تھا، تم نے یہ حدیث تو ضرور پڑھی ہوگی کہ۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک روز حضرتِ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

خداوند تعالےٰ سے عرض کیا کہ بارِ الٰہا! جو لوگ جنازے کے ساتھ چلتے ہیں اُن کی اِس عبادت کا تیرے یہاں کیا اجر ہے؟ ارشاد ہوا کہ اس کا صلہ یہ ہے کہ میرے فرشتے اس کے جنازے کے ساتھ چلیں گے اس کے لیے دعا کریں گے۔" (اخرجہ ابن العساکر)

اب گھبرا کر میں نے دریافت کیا مولانا! دفن کرنے کے بعد قبر کی تو کہیئے، اس کے تصور سے تو جان نکلی جاتی ہے؟ میرے اس سوال پر روحانیوں کا امام ہنس پڑا اور فرمایا کہ۔

"مومن کے حق میں تو قبر کا دبانا ایسا راحت بخش ہے جیسے مشفق ماں سے اس کا بیٹا دردِ سر کی شکایت کرے تو ماں اس کا سر نرم نرم دبائے۔" (اخرجہ البیہقی)

میں نے یہ بھی پوچھا کہ دنیا کی زندگی میں تو عقیدتمندوں کا ہجوم آپ کے چہار جانب رہتا تھا۔ یہاں کی تنہائی میں آپ کی طبیعت کیا گھبراتی ہے؟ اس قبر میں آخر آپ کے ساتھ کون ہے؟ مونس و غمگسار ہیں یا نہیں؟ مولانا فرمانے لگے کہ ہاں تمھارے داغ نے تو حسرت و ارمان کو اپنا مونس بنایا تھا، تم نے اس کا وہ مشہور شعر ضرور سنا ہوگا کہ ؎

قبر میں حسرت و ارمان غنیمت ہیں اے داغ رفتہ رفتہ انہیں یاروں سے بہل جاؤں گا

لیکن علماء کے لیے ان کا علم مونس و دمساز ہوتا ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ۔

"جب عالم مرجاتا ہے تو اللہ اس کے علم کی ایک صورت بنا دیتا ہے وہ قیامت تک اس کی انیس رہتی ہے اور کیڑے مکوڑوں کو اس سے ہٹاتی ہے۔" (اخرجہ الدیلمی)

میں سوال کر رہا تھا اور اُدھر شیخ پوری بشاشت کے ساتھ جواب دے رہے تھے، اِسی دوران میں میں اُن سے ایک عجیب وغریب سوال کرنے لگا، پوچھنے سے پہلے تو نہیں لیکن دریافت کرنے کے بعد اس استفسار پر مجھے خود ہی ندامت ہوئی، یعنی میں نے ان سے دریافت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا معاملہ دنیا کی زندگی میں عجیب وغریب رہا، ایک طرف آپ کے دسترخوان کی وسعت تھی جس پر سینکڑوں آدمی ذلہ ربائی کرتے تھے، مہمانوں کی کثرت، واردین وصادرین کا ہجوم دیکھ کر بار ہا خیال ہوا کہ آپ شاید کوئی رئیس یا پھر ایک بڑے سرمایہ دار ہیں جس کے گھر میں تجوریوں کا سلسلہ اور نقدیوں کے انبار ہوں، دوسری جانب آپ کی سادگی، معمولی لباس، معمولی قسم کا کھانا پینا، عیش و راحت سے بہت دور زندگی اور راحت کوشیوں سے ناواقف اوقات دیکھ کر محسوس ہوتا کہ آپ ایک غریب گھر گرہستی کے آدمی اور سادہ زندگی کے مالک ہیں۔ پھر بتائیے کہ آپ کیا تھے اور اپنے پیچھے آپ نے کیا چھوڑا ہے؟

اس مقدس انسان نے اس نازیبا سوال پر کسی ناگواری کے بغیر کہا کہ ۔
میں نے دنیا کی زندگی ایک غریب کی طرح شروع کی اور غربت ہی پر اس کو ختم کر آیا ہوں، نہ میں سرمایہ دارانہ رؤسا کے زمرے میں میرا شمار، میں نے اپنے بعد نہ روپیوں کے انبار چھوڑے نہ مال و متاع کے ذخیرے اور یہاں آکر معلوم ہوا کہ دنیا کا طمطراق، تزک و حشم کچھ بھی کام نہیں آتا، سب کچھ وہیں پڑا رہ جاتا ہے اگر کام آتا ہے تو وہی دو چار چیزیں جن کی اطلاع دیتے ہوئے صادق و مصدوق ؐ نے فرمایا ہے کہ
"جب آدمی مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے علاوہ اس کے تمام اعمال موقوف ہو جاتے ہیں، یعنی صدقہ جاریہ، علمِ نافع یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔" (اخرجہ البخاری)
میں نے اُن سے یہ بھی پوچھا کہ آج کل آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟ اِس استفسار پر فرمایا کہ زیادہ تر قرآن ہی کی تلاوت سے کام رہتا ہے، دنیاوی زندگی میں بھی قرآن مجید کی تلاوت بڑی سرور بخش تھی میں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا آپ قرآن پڑھتے ہیں، حفظ پڑھتے ہیں یا ناظرہ؟ شیخ نے فرمایا کہ ایک روایت میں ہے کہ ۔
"مومن کو قبر میں مصحف دیا جاتا ہے جس میں وہ پڑھتا ہے" (اخرجہ ابن مندہ)
اور اسی طرح دوسرے اعمال و عبادات بھی چلتی رہتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اب ہم مکلف نہیں ہیں صرف اپنی لذت و راحت کے لیے اس قسم کی عبادتیں کرتے رہتے ہیں۔
اب صبح ہو چکی تھی، آفتاب کی کرنیں آسمان سے زمین پر اُتر کر آ رہی تھیں اور اُن کی تمازت سے فضا میں حرارت و برودت کا ایک حسین امتزاج بنتا جا رہا تھا، زائرین کے قدموں کی چاپ سے روحانیوں کے ہجوم میں کچھ کھلبلی سی پڑ گئی اور اچانک یہ منظر میرے سامنے سے ہٹا دیا گیا۔ پھر اسی دنیا کی وہی صبح و شام تھی اور وہی زمین و آسمان ۔

قارئین کی خدمت

الحمد للہ! ماہنامہ الحق جو بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر تاخیر سے قارئین کی خدمت میں پہنچ رہا تھا اب مقدور بھر اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے آئندہ انگریزی مہینہ کے حساب سے ہر ماہ کا پرچہ اسی ماہ کے آخر میں قارئین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا ۔ اِنشاء اللہ ، اگر مہینہ کے آخر تک پرچہ موصول نہ ہو جائے تو شکایتی خط الحق کے مینیجر کے نام بھیجا جا سکتا ہے تاکہ دوسرا متبادل پرچہ بھیجا جا سکے قارئین نے ہماری تاخیر اور کوتاہیوں کے باوجود جس صبر و تحمل ، وابستگی اور خلوص و للہیت کا ثبوت دیا ہے بلکہ مزید قارئین کے اضافے اور حلقہ احباب کی وسعت کا باعث بنے ہیں، اس پر ادارہ اپنے تمام مخلصین کا ممنون اور شکر گزار ہے مزید برآں واجرہم علی اللہ ——— ادارہ

(۳) مولانا محمد طاسین

مروجہ استحصالی نظام کا خاتمہ

مثال کے طور پر معاملۂ مزارعت کو لیجئے اس کی شرعی حیثیت کے متعلق علماء کرام کے مابین جو اختلاف ہے کہ بعض اس کو شرعی طور پر جائز اور دوسرے بعض اس کو ناجائز بتلاتے ہیں اس اختلاف کی بنیاد محض وہ احادیث و آثار ہیں جو مزارعت کے متعلق کتب حدیث میں مذکور ہیں اور جن کے الفاظ سے مزارعت کا جواز بھی نکلتا ہے اور عدم جواز بھی، لہٰذا محض ان احادیث و آثار کی بنا پر مزارعت کو جائز کہنے کی بھی گنجائش ہے اور ناجائز کہنے کی بھی گنجائش، تو پھر ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کبھی ختم نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کا ختم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے ختم ہوئے بغیر اسلام کے حقیقی معاشی نظام کا تعین نہیں ہو سکتا اور یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ مزارعت کی بنیاد پر قائم زمینداری نظام از روئے اسلام جائز ہے یا ناجائز؟ کسی اسلامی ملک و معاشرے میں اس کو قائم رہنا یا ختم ہو جانا چاہیئے آج ہم یہ کہہ کر پوچھنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتے کہ فلاں امام و فقیہ کے نزدیک یہ جائز اور فلاں امام اور فقیہ کے نزدیک ناجائز ہے وہ اللہ اور رسول اور قرآن و حدیث کے حوالے سے صرف ایک بات سننا اور جاننا چاہتے ہیں دو مختلف اور متضاد باتیں ایک ہی معاملہ کے متعلق سننا اور جاننا نہیں چاہتے لہٰذا ضروری ہے کہ اس معاملہ کے متعلق جو اختلاف ہے وہ دور ہو اور صرف ایک بات واضح اور قطعی صورت میں سامنے آئے، اور میں سمجھتا ہوں ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب معاملۂ مزارعت کی شرعی حیثیت متعین اور معلوم کرنے میں صرف احادیث و آثار یعنی روایات پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضرور دیکھا جائے کہ عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز اور درست و نادرست کے متعلق قرآن حکیم میں جو اصولی اور کلی ضابطہ ہے اس کے مطابق معاملۂ مزارعت جائز و درست معاملات کی فہرست میں آتا ہے یا ناجائز و نادرست معاملات کے زمرہ میں شامل ہے اور یہ کہ قرآن مجید میں معاشی حق اور معاشی عدل اور معاشی ظلم کا جو اصولی تصور ہے اس کی روشنی میں معاملۂ مزارعت اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاشی عدل کا مصداق ٹھہرتا ہے یا معاشی ظلم کا مصداق؟ نیز یہ کہ اسلام اپنی معاشی ہدایات و تعلیمات کے ذریعے معاشرے میں جو معاشی اعتدال و توازن پیدا کرنا چاہتا ہے وہ معاملۂ مزارعت کے جواز سے پیدا ہوتا ہے یا اس کے عدم جواز سے، نیز اسلام جس طرح کے معاشرتی، سیاسی اور تمدنی حالات پیدا کرنا چاہتا ہے مزارعت کا جواز اور رواج ان کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے یا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے؟ ان تمام امور پر غور و فکر کیا جائے اور ان کو مزارعت کے جواز و عدم جواز کی بحث میں پوری طرح ملحوظ رکھا جائے تو ایک متفقہ اور یقینی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں اور موجودہ اختلاف ختم ہو سکتا ہے جو اس کے جواز و عدم جواز میں پایا جاتا ہے۔

مزارعت کی طرح جن دوسرے معاشی امور و معاملات کے شرعی حکم یعنی جواز و عدم جواز کے متعلق علماء کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بھی بحث و تحقیق کے اس نئے سائنسی اور عقلی اسلوب سے دور کیے جا سکتے ہیں اور ایک متفقہ اور یقینی صورت آ سکتی ہے۔

مقصد اس دوسرے سبب اختلاف کو بیان کرنے کا یہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے تعین پر علمی کام کرنے والی مجوزہ جماعت اس کو بھی ضرور ملحوظ اور پوری طرح سامنے رکھے تاکہ جو متعین ہو متفقہ طور پر متعین ہو۔

اسلامی معاشیات سے متعلق علماء اسلام کے درمیان اختلافات کا تیسرا سبب جس کا ذکر ضروری ہے یہ ہوا کہ اسلامی معاشیات پر علمی کام والوں میں سے بعض نے اس کا التزام اور اہتمام کیا کہ اسلام کے حوالے سے جو بھی بات کہی اور لکھی جائے وہ موجودہ حالات میں لوگوں کے لیے قابل قبول اور قابل عمل ہو تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اسلام آج کے حالات میں قابل عمل نہیں لہٰذا انہوں نے اسلام کی خیرخواہی کے جذبہ سے رائج الوقت سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے ہر ہر جزو کو حیلوں اور تاویلوں کے ذریعے اور الفاظ کے رد و بدل سے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی بینکاری کا ادارہ ہو یا بیمہ کاری کا ادارہ، جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ادارہ ہو یا حکومت کے جاری کردہ مختلف قسم کے سرٹیفکیٹ اور بانڈز کے لین دین کا ادارہ، اسلام کے حوالے سے اُن کو جائز ٹھہرایا، غرضیکہ اُن کو تجویز کردہ اسلامی معاشی نظام، بنیادی طور پر نظام سرمایہ داری ہی کی دوسری شکل ہے اپنے معروضی اثرات و نتائج کے لحاظ سے دونوں میں کچھ فرق نہیں لہٰذا اس سے ہمارے اس دعوے کی صاف تردید ہوتی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ معاشی نظام سے بنیادی طور پر مختلف اور بنیادی طور پر بہتر ہے، ممکن ہے یہ حضرات اس دعوے کے ہی قائل نہ ہوں یا یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کو موجودہ حالات کے مطابق بنانے کی فکر و کوشش میں اتنے منہمک اور مستغرق ہو گئے ہوں کہ اُن کو اپنے دعوے کا خیال ہی نہ رہا ہو، بہرحال ان حضرات کا تجویز کردہ اسلام کا معاشی نظام اس سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہے جو اسلام کے حقیقی ماخذ قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

مذکورہ اہل علم حضرات کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے اسلام کے معاشی نظام کی تعبیر و ترجمانی میں سختی کے ساتھ یہ رویہ اور طرز فکر اختیار کیا کہ اسلامی معاشی نظام کے متعلق اسلام کے حوالے سے جو بھی بات کہی اور لکھی جائے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو یعنی اس کا اجمالی یا تفصیلی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے کہ وہ موجودہ حالات میں قابل قبول اور قابل عمل ہے یا نہیں، گویا ان کا موقف یہ رہا کہ اسلام کو حالات کے مطابق بنانے کی بجائے حالات کو اسلام کے مطابق بنایا جائے چنانچہ ان حضرات نے رائج الوقت سرمایہ دارانہ نظام کو ربوٰ و سود پر مبنی ہونے کی وجہ غیر اسلامی قرار دیا اور ایسے تمام معاملات کو اسلام کی رو سے حرام و ناجائز بتلایا جو ربوٰ و قمار یعنی سود اور جوئے پر مبنی اور نظام سرمایہ داری کے عناصر ترکیبی تھے۔

چنانچہ طرز فکر کے مذکورہ اختلاف کے نتیجہ میں بہت سے وہ اختلافات وجود میں آئے جو اسلامی معاشیات سے متعلق علما کے مابین موجود ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام کا معاشی نظام ایک چیستاں اور خواب پریشان بن کر رہ گیا ہے۔

اس تیسرے سبب اختلاف کے بیان سے بھی مقصود یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام پر عملی کام کرنے والی علماء کی مجوزہ جماعت اس پہلو پر بھی ضرور نگاہ رکھے اور وہ طرز فکر اور انداز تحقیق اختیار کرے جس سے حقیقی اسلام کا تحفظ ہوتا اور اسلام کا وہ اصل معاشی نظام سامنے آتا ہو جو قرآن وحدیث میں ہے۔

پھر جب اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے تعین کا مرحلہ خیر و خوبی کے ساتھ اور اطمینان بخش طور پر طے ہو جائے تو اس کے بعد کا مرحلہ اس کے عملی نفاذ کا مرحلہ ہے جس کے متعلق پہلے کافی تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا کہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام صرف ایسے معاشرے میں نافذ ہو سکتا اور پائیداری کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے جس کے اندر خاص طرح کا ذہن اور خارجی ماحول موجود ہو، نیز یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول سے مراد کیسا ذہنی اور خارجی ماحول ہے اور یہ بھی وہ کس طریقہ سے معرض وجود میں آسکتا ہے، اسی طرح یہ بھی اظہار حقیقت کے طور پر عرض کیا گیا تھا کہ موجودہ نام نہاد اسلامی معاشروں بالخصوص پاکستانی معاشرے کے اندر وہ ذہنی اور خارجی ماحول موجود نہیں جو اسلامی معاشی نظام کے عمل میں آنے اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے لیے ضروری ہے لہٰذا ایسی صورت حال میں پاکستانی ملک و معاشرے کے لیے اپنے ہاں اسلامی معاشی نظام نافذ اور رائج کرنے کا صحیح طریق کار صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی معاشی نظام کو بطور نصب العین اور آخری منزل کے پوری طرح سامنے رکھے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ درجہ بدرجہ اور مرحلہ بمرحلہ اس کی طرف بڑھنے اور پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتا رہے چنانچہ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ایک طرف مطلوبہ ذہنی ماحول پیدا کرنے کے لیے ایمانی عقائد پر مشتمل نظام تعلیم اور اس ذہنی ماحول کو قائم، برقرار اور زندہ رکھنے کے لیے اسلامی عبادات واخلاق پر مشتمل نظام تربیت عمل میں لائے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کو رواج دے تاکہ ذہنوں میں نہایت وسیع و ہمہ گیر عدل واحسان کی طرف رغبت اور ہر قسم کے ظلم و عدوان سے نفرت کے جذبات موجزن ہوں جن کی تحریک سے ایک انسان بلا کسی تخصیص و امتیاز ہر دوسرے انسان سے عدل واحسان کا برتاؤ کرے یعنی نہ صرف یہ کہ دوسرے کا حق اس کو ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا دے بلکہ اپنے حق کا اس کے لیے ایثار کرے اور اس کا مقصد اللہ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی فلاح وکامیابی حاصل کرنا ہو اس کے اندر نفع اندوزی کی بجائے خلق خدا کی نفع رسانی کا ولولہ ہو ہر دوسرے کے ساتھ اس کا سلوک و برتاؤ ایسا ہو جیسا وہ اپنے لئے دوسرے سے چاہتا ہے، اسی طرح وہ اپنے نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے ذہنوں میں اس بات کو بٹھائے اور راسخ کرے

تمام انسان بحیثیت انسان کے برابر ہیں کسی کو کسی پر رنگ ، نسل ، وطن ، زبان ، خاندان نسب وذات کی بنا پر فضیلت وبرتری حاصل نہیں اسی طرح مال ودولت اور جاہ واقتدار بھی وجہ فضیلت اور سبب عزت وشرف نہیں بلکہ فضیلت وشرف اور عزت وتکریم کا ایک اور صرف ایک سبب تقویٰ ہے جس کے عملی مظاہر میں سب سے بڑا اور نمایاں مظہر خلق خدا کے ساتھ احسان اور ایثار سے پیش آنا اور بے لوثی کے ساتھ ان کو نفع پہنچانا ہے ۔ اس کے مطابق ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسا معاشرتی ماحول تیار کیا جائے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز تمام افراد کو بنیادی انسانی حقوق یکساں طور پر حاصل ہوں اور عزت وبڑائی کا معیار مال ودولت اور جاہ واقتدار نہ ہو بلکہ نیکی اور تقویٰ اور احسان وایثار ہو جو جتنا نیک ، متقی اور احسان وایثار کرنے والا ہو اتنا ہی وہ معاشرے میں معزز ومکرم ہو ، اسلامی معاشی نظام کے بروئے کار آنے کے لیے مذکورہ معاشرتی ماحول اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسلامی معاشی نظام میں مال ودولت کو جمع رکھنے کی بجائے راہ خدا اور رفاہ عام کے مصارف میں خرچ کردینے کی جو تعلیم اور قارونیت کی جو ممانعت ہے اس پر مذکورہ ماحول کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا ، مطلب یہ کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں عزت وبڑائی کا معیار مادی مال ومتاع ہو اور ہر اس شخص کو معزز اور بڑا سمجھا جاتا ہو جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مال ودولت ہو تو اس میں مال ودولت حاصل کرنے اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی اور ہر ایک تکاثر یعنی زیادہ سے زیادہ اور بڑے سے بڑا مالدار بننے کے خبط میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ عام بدامنی اور بے چینی کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کو اسلام نہیں چاہتا ۔

سازگار خارجی ماحول تیار کرنے کے لیے جس دوسری چیز کا وجود ضروری ہے اور جس کو وجود میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیئے وہ بنیادی معاشی ضروریات میں خود کفالت ہے مطلب یہ کہ ایسی تمام چیزیں ملک کے اندر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی جانی چاہیئے جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہیں آسائش اور تعیش کی چیزوں کی طرف اس وقت توجہ دی جائے جب ضروریات میں خود کفالت حاصل ہو جائے ، کیونکہ جو مسلم معاشرہ بنیادی معاشی ضروریات میں خود کفیل نہ ہو بلکہ وہ ان کے لیے غیر مسلم معاشروں کا محتاج ودست نگر ہو تو وہ زندہ رہنے کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ غیر مسلم معاشروں سے ان کی شرائط اور خواہشات کے مطابق ضروریات زندگی حاصل کرتے اور اس کی یہ مجبوری اپنے اسلامی معاشی اصولوں پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے ۔

اسلامی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے لیے جس خارجی ماحول کا وجود ضروری ہے اس کا ایک پہلو سیاسی آزادی اور کامل خود مختاری بھی ہے یعنی مسلم معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے تسلط سے

آزاد اور پوری طرح خود مختار ہو یعنی وہ اپنے معاملات بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی سے طے کر سکنے کی پوزیشن میں ہو کیونکہ جو معاشرہ اور ملک کسی دوسرے معاشرے اور ملک کے زیر تسلط اور ماتحت ہوتا وہ اپنے ہاں کوئی ایسا معاشی نظام رائج نہیں کر سکتا جو اوپر والے مسلط ملک و معاشرے کے مفادات سے مطابقت نہ رکھتا ہو لہٰذا مسلمان معاشروں پر لازم اور واجب ہے کہ وہ غیر مسلم معاشروں کے تسلط سے کامل طور پر آزاد اور خود مختار ہونے کی ہر ممکن کوشش کریں اس کے لیے وہ ایسے سب طریقوں سے کام لیں جو شرعاً جائز ہوں اور جن کو اختیار کرنے سے کامل آزادی اور خود مختاری کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو، یہاں یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ آج بہت سے مسلم ممالک کو جو آزادی و خود مختاری حاصل ہے وہ محض نام کی اور ناقص آزادی و خود مختاری ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ اُن کی تمام پالیسیوں اور منصوبہ بندیوں میں باہر والوں کا کتنا عمل دخل ہوتا ہے خارجی امور میں ہی نہیں داخلی امور میں بھی اُن کو مغربی ممالک کی مرضی کا کتنا خیال اور لحاظ رکھنا پڑتا ہے، بہر حال جو مسلم ممالک اور معاشرے اپنے ہاں اسلام کے اجتماعی نظام کو کامل طور پر عمل میں لانا اور بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں اُن کے لیے لازمی و ضروری ہے کہ وہ سیاسی طور پر مکمل آزاد و خود مختار اور معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور خود مکتفی بننے کی انتہائی سعی و کوشش اور پوری جدوجہد کریں۔

واضح رہے کہ سطور بالا میں یہ جو عرض کیا گیا ہے کہ اسلام کے حقیقی معاشی نظام کے عملی نفاذ کے لیے خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول کا معاشرے میں موجود ہونا ضروری ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جب تک وہ خاص طرح کا مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول کامل طور پر وجود میں نہ آجائے اصلاح کے سلسلہ میں کوئی قدم نہ اٹھایا جائے اور موجودہ ظالمانہ معاشی نظام میں کوئی تغیر اور ردوبدل نہ کیا جائے جو فی الوقت معاشرے میں موجود ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کامل طور پر اسلام کا معاشی نظام تو بلا شبہ اسی وقت عمل میں آسکتا ہے جب وہ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول ناقص طور پر موجود ہو لہٰذا ایسے اسلامی معاشرے کے لیے اسلام کی ہدایت و تعلیم یہ ہے جس نے اجتماعی طور پر یہ طے کر لیا ہو کہ اس نے اسلام کے حقیقی عادلانہ معاشی نظام کو ضرور بالضرور اپنانا اور کامل طور پر عمل میں لانا ہے اور وہ سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ اس ذہنی اور خارجی ماحول کو وجود میں لانے کی بھرپور کوشش بھی کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لئے ضروری ہے، کہ وہ برابر اس پر نظر رکھے اور پورے غور سے جائزہ لیتا رہے کہ اس کی کوششوں کے نتیجہ میں ذہنی اور خارجی حالات کی کس قدر اصلاح وجود میں آئی ہے اور پھر اس کے مطابق اپنے لیے عبوری لائحہ عمل تیار کرے جو عام لوگوں کے لیے قابل عمل ہو اور جس پر عمل کرنے سے قدم آگے کی طرف بڑھتا اور اصل منزل مقصود قریب ہو جاتی ہو، ہو سکتا ہے پاکستان جیسے معاشرے کو اصل منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے متعدد عبوری مراحل سے گزرنا اور ہر مرحلہ کے لیے عبوری لائحہ عمل بنانا

اور تیار کرنا پڑے ۔

عبوری لائحہ عمل کے متعلق یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ وہی عبوری لائحہ عمل ،صحیح اور درست لائحہ عمل ہو سکتا ہے جو اُس وقت کے عبوری حالات سے مطابقت رکھتا اور معاشرے کی اکثریت کے لیے قابل قبول اور قابل عمل ہو تاکہ اس کے نفاذ سے مخالفانہ ردعمل کا ظہور نہ ہو سکے جس کا نتیجہ حاصل شدہ فائدہ کے مقابلہ میں نقصان کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے ، دوسری چیز جو عبوری لائحہ عمل کی صحت و درستی کے لیے ضروری ہے وہ یہ کہ اس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں قدم آگے بڑھ سکتا اور منزل مقصود کچھ نہ کچھ ضرور قریب ہوتی ہو ،چنانچہ جو عبوری لائحہ عمل ایسا نہ ہو وہ غلط و باطل قرار پاتا ہے ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عبوری لائحہ عمل بنانے کا کام خاصا نازک ، پیچیدہ اور مشکل کام ہے جس کو علماء و مفکرین کی ایک ایسی جماعت انجام دے سکتی ہے جو اعلیٰ علم و فہم کے ساتھ اجتماعی حالات پر گہری اور وسیع نظر رکھتی اور ان اسباب و عوامل کو علی وجہ البصیرت جانتی ہو جن کے زیر اثر انسانی معاشرے میں تبدیلیاں رونما ہوتی اور تعمیر و تخریب ، بناؤ بگاڑ اور عروج و زوال کے مناظر سامنے آتے ہیں ۔

پھر چونکہ عبوری لائحہ عمل جو مخصوص قسم کے ذہنی و خارجی حالات میں وقتی مصلحت کی خاطر بنایا جاتا ہے عدلِ کامل سے مطابقت نہیں رکھتا اور اس میں ظلم و حق تلفی کا کچھ نہ کچھ عنصر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کو حقیقی طور پر اسلامی سمجھنا اور کہنا درست نہیں ہو سکتا بنا بریں اس کے متعلق نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں یہ اعلان ضروری ہوتا ہے کہ یہ لائحہ عمل حقیقی طور پر اسلامی نہیں بلکہ اس کو اسلام کے اس اصول کے تحت وقتی طور پر بنایا اور اختیار کیا گیا ہے کہ جب حالات ایسے ہوں کہ خیر کامل کا حصول ناممکن ہو البتہ خیر ناقص حاصل ہو سکتی ہو تو وقتی طور پر خیر ناقص کو اختیار کر لیا جائے اور خیر کامل کے لیے کوشش جاری رہے ، بالفاظ دیگر جب حالات ایسے ہوں کہ دو برائیوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری اور ناگزیر ہو تو جو برائی نسبتاً کم درجہ کی ہو وقتی طور پر اس کو اختیار کر لیا جائے ۔عبوری لائحہ عمل کے متعلق مذکورہ اعلان اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کو اختیار کرنے والے غلطی سے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ مستقل اور دائمی ہے لہٰذا آگے چل کر جب اُس کو چھوڑنے کا مرحلہ آئے تو ان کو اس کے چھوڑنے میں دقت و دشواری محسوس ہو کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کو وہ وقتی اور عارضی سمجھ کر اختیار کرتا ہے اس کے ترک کرنے میں اس کو کوئی خاص دقت و دشواری پیش نہیں آتی آسانی کے ساتھ ترک کر دیتا ہے ۔ مذکورہ اعلان کے ضروری ہونے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد کسی مخالف اسلام کو اس عبوری لائحہ عمل کی بنا پر یہ کہنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا کہ یہ لائحہ عمل مسلمانوں کے اُس بلند بانگ دعوے سے مطابقت نہیں رکھتا جو وہ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق عام طور پر

کرتے ہیں کہ وہ افادی طور پر باقی سب معاشی نظاموں سے بہتر اور اپنے معروضی نتائج و اثرات کے لحاظ سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔

عبوری لائحہ عمل کے متعلق ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام ،عبوری لائحہ عمل بنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی اجازت صرف ایسے اسلامی معاشرے کو دیتا ہے جس نے صدق دل سے قطعی طور پر یہ طے کر لیا ہو کہ وہ اپنے ہاں اسلام کے حقیقی عادلانہ معاشی نظام کو بروئے کار لائے گا اور پھر اس کے ساتھ وہ پوری سنجیدگی اور تندہی کے ساتھ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پیدا کرنے کی امکانی کوشش بھی کر رہا ہو، مطلب یہ کہ یہ اجازت اور رعائت ایسے اسلامی معاشرے کے لیے نہیں جس کا قصد وارادہ نہ اسلام کے حقیقی مثالی معاشی نظام کو بالآخر اپنے ہاں عمل میں لانا اور نافذ کرنا ہو اور نہ وہ مطلوبہ ذہنی اور خارجی حالات پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو جو اس کے عمل میں آنے کے لیے ضروری ہیں۔ کیونکہ عبوری لائحہ عمل تو ہو ہی وہ سکتا ہے جو کسی مستقل اور دائمی لائحہ عمل تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہو گویا اس کی حیثیت اصل مقصد کی نہیں بلکہ مقصد کے ذریعے اور وسیلے کی ہوتی ہے۔

اور چونکہ عبوری معاشی لائحہ عمل کی حیثیت ،حقیقی و مستقل معاشی لائحہ عمل کے لیے وسیلے و ذریعے کی ہوتی ہے لہٰذا کسی عبوری معاشی لائحہ عمل کے متعلق یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ صحیح ہے یا غلط ، اصل معیار حقیقی معاشی لائحہ عمل ہوتا ہے چنانچہ جو عبوری معاشی لائحہ عمل ،مخصوص عبوری حالات میں قابل عمل ہونے کے ساتھ حقیقی معاشی لائحہ عمل کے زیادہ مماثل و مشابہ ہو وہ صحیح اور جو کم مشابہ و مماثل ہو وہ غلط قرار پاتا ہے

دراصل اس وقت ہمارے سامنے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کی دوسرے غیر اسلامی معاشی نظاموں پر علمی وعقلی طریقہ سے فوقیت و برتری ثابت کی جائے جیسا کہ عام طور پر ہمارا دعویٰ ہے۔ اور دوسرا مقصد یہ کہ آج ہم مسلمانوں کی عام طور پر جو خراب وخستہ معاشی حالت ہے اس کو بتدریج اور مرحلہ وار ٹھیک اور درست کیا جائے پہلا مقصد اسلام کے حقیقی اور مستقل عادلانہ معاشی نظام کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے جس کا تعین سب سے پہلے ضروری قرار دیا گیا ہے جب کہ دوسرا مقصد عبوری معاشی لائحہ عمل کے ذریعے پورا کیا جا سکتا ہے جو معیشت کی گاڑی کو چلائے رکھنے کے لیے نہائت ضروری ہے۔

جہاں تک عبوری معاشی لائحہ عمل کے شرعی جواز کا تعلق ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث کی ان نصوص سے بخوبی فراہم ہوتا ہے جن میں مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے اندر بعض ایسے معاشی معاملات کے رواج کا ذکر ہے جو آخر میں تحریم ربوٰ کے اعلان کے ساتھ ممنوع قرار پائے جیسے مخابرہ وغیرہ۔

اور پھر ہم عام طور پر یہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کے اندر ہر دور اور ہر

زمان ومکان کے انسانوں کے لیے قابل عمل ہدائت وراہنمائی پائی جاتی اور ہر دور کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے یہ دعویٰ معاشی اور سیاسی مسائل کی بنسبت صرف اسی صورت میں صحیح ثابت ہوسکتا ہے جب اُس کے اندر عبوری حالات کے لیے عبوری لائحہ عمل کا تصور اور جواز موجود ہو کیونکہ اگر اس کا انکار کردیا جائے تو مذکورہ مسائل کی حد تک یہ دعویٰ درست نہیں رہتا کہ اسلام ہر دور اور ہر عہد میں ان مسائل کے لیے قابل عمل ہدایت وراہنمائی دیتا ہے کیونکہ ان مسائل کے متعلق اسلام کا جو حقیقی اور مستقل ضابطہ ہدایت وراہنمائی ہے ہر طرح کے ذہنی اور خارجی حالات میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا جیسا کہ پہلے اسی مضمون میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کے متعلق کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔

قارئین کرام! مسئلہ مذکور کے حل کے لیے میں نے جو طریق کار عرض کیا ہے ظاہر ہے کہ اس میں طویل وقت کا لگنا لازمی ہے۔ لیکن اگر مقصود پُرامن طریقہ سے معاشرے کی پائیدار اصلاح ہے تو وہ مذکورہ طریق کار کے بغیر ممکن نہیں، نیز میرے علم وفہم کے مطابق یہی طریق کار صحیح اسلامی طریق کار ہے۔ اس مضمون کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقت حال کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے! آمین۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۵ سے)

سے بدگمان کرنے کی تحریکیں چلائی جائیں حضرت امام مالکؒ کیسی پرحکمت بات کہہ گئے ہیں۔

لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما صلح بہ اولھا

اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح صرف اس طریق میں ہے جس سے پہلوں کی اصلاح ہوئی تھی سو آخری دور میں مسلمانوں کی بہتری کیلئے جدید طریقوں کی تلاش کوئی پرانا دین نہیں ایک نیا دین ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نوٹ! ہمارے اس مضمون کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ہم عہد حاضر کی جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے کے خلاف ہیں۔ — نہیں — ہم صرف قوم کو جدید فکر مہیا کرنے کے خلاف ہیں قوم کی فکر وہی ہونی چاہیئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی تراث اور ما انا علیہ واصحابی کی آواز ہے۔ اسی نظر و فکر کو غالب رکھتے ہوئے ہم عہد حاضر کی ایجادات اور سائنسی ترقیات سے جتنا فائدہ اٹھائیں وہ بالکل جائز اور درست ہے۔ پرانے دین کو قائم رکھتے ہوئے اسے جو جدید سواری مہیا کریں ہمیں اس سے انکار نہ ہوگا لیکن اس پر ضرور نظر رہے کہ کہیں سواری سوار — اور سوار سواری نہ بن جائے —

دلکش
دلنشیں
دلفریب
گلستان پرنٹس
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں۔ حسین کے پارچہ جات شہر کی ہر بڑی دکان پر دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

Servis

جناب سفیر اختر صاحب

وسطی ایشیاء کے مسلمان

(۳)

"وسطی ایشیا" کے خطے سے اسلامی تاریخ وتہذیب کے سیکڑوں "رجال" ابھرے جن کے کارنامے رہتی دنیا تک جگمگاتے رہیں گے۔ تفسیر قرآن ہو یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، فلسفہ ہو یا علم کلام، تاریخ ہو یا ادب، ہر شعبۂ علم میں "وسطی ایشیا" کا حصہ وقیع ہے۔ "الجامع الصحیح" کے مرتب امام بخاری اور "جامع ترمذی" کے جمع کنندہ امام ابوعیسیٰ محمد ابن عیسیٰ اسی خطے کے گل ہائے سرسبد ہیں۔ اُن کی تالیفات سے نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام میں یکساں طور پر اعتناء کیا گیا ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ "الجامع الصحیح" ہو یا "جامع ترمذی"، انہیں وسطی ایشیا کے حوالے سے نہیں بلکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے پڑھا گیا ہے چنانچہ ان کتب کی جو شروح اور حواشی لکھے گئے، اُن میں حدیث اور فنِ حدیث ورجال کو زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔

متکلمین میں امام ماتریدی سے کون واقف نہیں۔ فقہ حنفی کے بیسیوں متون وسطی ایشیا کی درس گاہوں میں وجود میں آئے۔ "ہدایہ" جو فقہ حنفی کی متداول کتاب ہے، یہیں کے ایک عالم علامہ مرغیناتی کی تالیف ہے۔ تاہم برصغیر میں وسطی ایشیا کی جس شخصیت کو بطور شخصیت سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی، وہ بوعلی سینا ہے۔ دوسرے نمبر پر البیرونی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اسی طرح دوسرے علوم وفنون کے حوالے سے "وسطی ایشیا" کے بیسیوں اہل علم تحقیق ومطالعہ کا موضوع رہے ہیں۔

آخر میں ایک نظر اُن اداروں پر بھی ڈال لی جائے جو "وسطی ایشیا" کو موضوع تحقیق بنائے ہوئے ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز۔ کراچی۔

۱۹۶۸ء میں ڈاکٹر سید حسام الدین راشدی، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ممتاز حسن اور بعض دوسرے اہل علم نے وسطی اور مغربی ایشیا کی تاریخ، آثار قدیمہ، فلسفہ، ادب، ثقافت اور معاشی وسماجی اداروں کے بارے میں مطالعہ وتحقیق کو فروغ دینے کے لیے اس ادارے کی بنیاد رکھی۔ گزشتہ ۲۵ برسوں میں انسٹی ٹیوٹ کو وسطی اور مغربی ایشیا کے اہل علم میں خوب پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ادارے کے سیکرٹری اور روح رواں پروفیسر ریاض الاسلام ہیں جو قرونِ وسطیٰ کی مسلم تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

• انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے اب تک جو مطبوعات شائع ہوئی ہیں، ان میں وسطی ایشیا اور برصغیر پاکستان وہند کے حوالے سے مطربی الاصم سمرقندی کا تذکرۃ الشعراء (تالیف: ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء) اور جہانگیر کے ساتھ اُس کی ملاقاتوں کی یادداشتیں "خاطراتِ مُطربی"، کے نام سے یکے بعد دیگرے ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئیں تذکرۃ الشعراء اور خاطراتِ مُطربی دونوں کتابیں تاجک فاضل مرحوم عبدالغنی میرزایف نے مرتب کی تھیں۔

مولانا مظہری کے بعد محمد بن امیر ولی بلخی شاہجہاں کے دور میں برصغیر پاکستان و ہند میں وارد ہوا تھا۔ واپس اپنے وطن جاکر محمد بن امیر ولی بلخی نے اپنے تاثرات کو کتاب "بحرالاسرار فی معرفتہ الاخیار" کا حصہ بنا دیا بحرالاسرار میں مؤلف نے وحدانیت خداوندی، ہیئت اور طبیعی علوم کے ساتھ جغرافیائی معلومات اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جنوبی ایشیا اور وسطی ایشیا کے بعض خطوں میں معاصر حکمرانوں کے حالات درج کیے ہیں۔ پروفیسر ریاض الاسلام نے کتاب کا وہ حصہ مرتب کیا ہے جو برصغیر اور سیلون کی سفری یادداشتوں سے متعلق ہے۔

ایک اور تاریخی متن "جامع التواریخ حسنی" ہے جسے ایرانی فضلاء حسین مدرسی طباطبائی اور ایرج افشار نے انسٹی ٹیوٹ کے لیے مرتب کیا ہے۔ یہ تیمور کے جانشینوں کے حالات میں تاج الدین حسن بن شہاب یزدی کی تالیف (۸۵۵ - ۸۵۷ھ ۱۴۵۱ - ۱۴۵۳ء) ہے

مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان۔ اسلام آباد

مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان کا اوّلین تصوّر صدر پاکستان کے دورۂ ایران کے موقع پر دونوں ملکوں کے سربراہوں کے مشترکہ اعلامیہ (۴ نومبر ۱۹۶۹ء) میں پیش کیا گیا تھا تاہم سرکاری سطح پر تفصیلات طے ہونے کے بعد تصوّر نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو عملی شکل اختیار کی۔ ابتداءً مرکز نے راولپنڈی میں ایرانی فاضل ڈاکٹر علی اکبر جعفری کی سرکردگی میں کام شروع کیا۔ مرکز نے حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری کے نام پر "کتاب خانہ گنج بخش" قائم کیا اور مطبوعہ کتابوں کے ساتھ مخطوطات جمع کرنے کی مہم شروع کی۔ کتب خانے کے اوّلین ناظم محمد حسین تسبیحی نے مختصر مدت میں ہزاروں مخطوطات حاصل کرلیے۔ مرکز کے ذخیرۂ مخطوطات میں ایک معقول تعداد ایسی کتابوں کی ہے جو وسطی ایشیا کے اہل قلم کی کاوش ہیں یا ان نسخوں کی کتابت وسطی ایشیا میں ہوئی ہے۔ فارسی مخطوطات کی فہرست آقائی احمد منزوی نے چار جلدوں میں مرتب کی ہے۔ ۲۲ عربی مخطوطات کی مجمل فہرست بھی ایران سے شائع ہوگئی ہے۔

مرکز نے ایران و پاکستان کے علمی و ادبی اور ثقافتی روابط کے حوالے سے فارسی زبان کی کم و بیش ایک سو کتابیں شائع کی ہیں۔ آقائی احمد منزوی نے پاکستان کے سرکاری اور نجی کتب خانوں میں موجود فارسی مخطوطات کی ایک جامع فہرست تیرہ ضخیم جلدوں میں مرتب کی ہے جس میں سیکڑوں ایسے مخطوطات کی نشاندہی کی گئی ہے جو وسطی ایشیا کے اہل قلم کی یادگار ہیں۔

مرکز تحقیقات فارسی نے سلسلہ خواجگان کا تذکرہ "لمحات من نفحات القدس" (محمد عالم صدیقی علوی) حافظ الدین محمد بخاری کی غیر مطبوعہ لغتِ قرآن "المستخلص" اور علی بن محمد الادیب الکرمینی کی "تکملة الاصناف" شائع کی ہیں۔ یہ تینوں کتابیں وسطی ایشیا میں لکھی گئی تھیں اور اوّل الذکر کا تعلق وہیں کے صوفیاء سے ہے۔

مرکز نے خواجہ محمد یعقوب چرخی کے رسائل ابدالیہ اور انسیہ شائع کیے۔ اِسی طرح خواجہ محمد پارسا کے رسالہ قدسیہ کا ایک اچھا ایڈیشن مرکز کی کوشش سے سامنے آیا ہے۔

ایریا اسٹڈی سنٹر (سنٹرل ایشیا)، پشاور یونیورسٹی۔ پشاور

۱۹۶۰ء کے عشرے کے آخر میں پشاور یونیورسٹی میں "وسطی ایشیا کے عوام کی تاریخ و ثقافت معیشت و تجارت اور ادب و فن کے مطالعہ کے لیے ایریا اسٹڈی سنٹر قائم کیا گیا۔ سنٹر تصنیف و تالیف کے ساتھ درس و تدریس کی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔ ایم۔ اے، ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سطح کے لیے علمی راہنمائی اور تحقیقی وسائل موجود ہیں۔ وسطی ایشیا کے متخصص ڈاکٹر محمد انور خان سنٹر کے سربراہ ہیں۔

سنٹر کی جانب سے ایک ششماہی مجلّہ گزشتہ ۲۲ سال سے شائع ہو رہا ہے۔ گزشتہ عشرہ ڈیڑھ میں افغانستان میں روسی مداخلت اور اس کے تحت پیدا ہونے والے حالات کے باعث مجلّے میں افغانستان پر زیادہ مقالات اور رپورٹیں شائع ہوئی ہیں۔ مجلّے میں تاریخ، جغرافیہ، معاشیات اور عمرانیات کے حوالے سے بعض وقیع مقالات شائع ہوئے ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔ اسلام آباد

۱۹۷۹ء میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی بنیاد رکھی گئی۔ پروفیسر خورشید احمد انسٹی ٹیوٹ کے بانی چیئرمین ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ پاکستان بلکہ عالم اسلام کے اُن چند گنے چُنے اداروں میں سے ہے جو غیر سرکاری سطح پر امت مسلمہ کے مسائل و حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ نے روزِ اوّل سے افغانستان اور وسطی ایشیا میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کو اپنی تحقیق اور مطالعے کا موضوع بنایا ہے۔ اِس سلسلے میں افغانستان پر متعدد سیمیناروں کے انعقاد اور رپورٹوں کی اشاعت کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ نے وسطی ایشیا پر آباد شاہ پوری کی دو کتابیں "ترکستان میں مسلم مزاحمت" اور "مسلم امہ۔ سوویت روس میں" شائع کی ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ نے ۱۹۹۱ء میں اسلامک فاؤنڈیشن (لیسٹر۔ برطانیہ) کے دو ماہی جریدہ کا ترجمہ "اشتراکی دنیا کے مسلمان" کے نام سے شائع کرنا شروع کیا تھا جس کے چھ شمارے شائع ہو سکے۔ گزشتہ سال سے انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے زیرِ نظر مستقل بالذات دو ماہی جریدہ "وسطی ایشیا کے مسلمان" باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔

سنٹر فار دی اسٹڈی آف سنٹرل ایشین سویلائزیشن، قائداعظم یونیورسٹی۔ اسلام آباد

چھٹی سے تیرہویں صدی کے دوران میں وسطی ایشیا میں جنم لینے والے سائنس دانوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، وہ انسانیت کی میراث ہیں۔ اِس حقیقت کے تحت ۱۹۷۶ء میں یونیسکو کے عمومی

اجلاس میں طے کیا گیا کہ وسطی ایشیا کے اِن اہل علم کے کارناموں کو عالمی سطح پر پوری اہمیت دی جائے۔

اِس قرارداد کی روشنی میں ۱۹۷۶ء میں یونیسکو کے زیرِ اہتمام "سائنس کی ترقی میں وسطی ایشیا کے کردار" پر بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا اور یہی کوششیں "سنٹر فار دی اسٹڈی آف سنٹرل ایشن سویلائزیشن" کے قیام کا باعث بنیں۔ معروف فاضل احمد حسن دانی کی نگرانی میں یونیسکو کا یہ ادارہ کام کر رہا ہے۔ وسطی ایشیا کی شخصیات کے کارناموں پر سیمیناروں کے علاوہ "سنٹر" کی طرف سے بعض کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں آثارِ قدیمہ اور بشریات کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

۱۹۷۸ء سے سنٹر ایک ششماہی مجلہ باقاعدگی سے شائع کر رہا ہے

۱۹۸۲ء میں جرنل کے دونوں شمارے یکجا شائع ہوئے جو ترکی زبان میں وسطی ایشیا کی ایک جامع کتابیات پر مشتمل ہے

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، مقالہ "تزکاتِ تیموری"، فارسی زبان و ادب، مجلس ترقی ادب (۱۹۷۷ء)، ص ۶۹-۱۷۱

۲۔ "ظفر نامہ" نام اتنا مقبول ہوا کہ بعد کے کئی مؤرخین نے اپنے ممدوحین کی عسکری کامیابیوں کے ریکارڈ کو ظفر نامے کا نام دیا۔ "ظفر نامہ شاہجہاں"، "ظفر نامہ عالمگیری" اور "ظفر نامہ رنجیت سنگھ" سے اہل علم واقف ہیں۔

۳۔ وزیر الحسن عابدی، دیباچہ یادداشتہائے مولوی محمد شفیع راجع بہ تیموری عہد وی، لاہور: مجلس ترقی ادب (۱۹۷۸ء)، ص "کب"

۴۔ زین خان خوافی، طبقات بابری (انگریزی ترجمہ: سید حسن عسکری)، دہلی: ادارہ ادبیات (۱۹۸۲ء) ص ۷۷-۸۱

۵۔ محمد صابر، ترک اور برصغیر، ماہ نو (کراچی) جون ۱۹۶۵ء، ص ۱۵

۶۔ محمد غوثی شطاری مانڈوی، اذکارِ ابرار (ترجمہ: فضل احمد جیوری)، لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن (۱۹۷۵ء)، ص ۳۲۲۔

۷۔ خواجہ ابوالعلا نقشبندی پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی سوانح حیات اور کتابیات کے لیے دیکھیے: سعادت مرزا قادری، قدوۃ العارفین حضرت امیر ابوالعلا نقشبندی اکبر آبادی، الولی (حیدرآباد سندھ) مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۳۹-۴۴، اپریل-مئی ۱۹۷۵ء، ص ۱۷-۴۴

۸۔ اقتدار حسین صدیقی،

سہ ماہی نزدہلی، جولائی ۱۹۸۰ء، ص ۱۳۴

۹۔ برصغیر پاکستان و ہند میں تصوف کے مخطوطات کے لیے دیکھیے، خدابخش لائبریری جرنل (پٹنہ)، شمارہ ۶۹ ببر/ز ۱۹۹۳ء

۱۰۔ خواجہ محمد یوسف ہمدانی، خواجہ عبدالخالق کے مرشد تھے، مگر پیر اور مرید نے الگ الگ اندازِ نظر اختیار کیا۔ نور بخش توکلی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے۔ "کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ خضر آپ کے پیر سبق ہیں اور خواجہ یوسف ہمدانی پیر صحبت و پیر خرقہ۔ اگرچہ خواجہ یوسف اور ان کے مشائخ ذکر بالجہر کیا کرتے تھے لیکن چونکہ خواجہ عبدالخالق کو ذکر خفیہ کی تلقین حضرت خضر سے تھی اس لیے خواجہ یوسف نے اس میں ردوبدل نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ جس طرح تم کو تلقین ہوئی ہے، کیے جاؤ۔" (تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ، لاہور، نوری بک ڈپو (۱۹۷۶ء)، ص ۷۵-۷۶)

۱۱۔ یہ اداریہ اسی عرصے میں پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع ہو گیا تھا۔ دیکھیے: دوستی یا ذہنی غلامی، جماعت اسلامی کا مؤقف، ملتان: ادارہ مطبوعات جماعت اسلامی (۱۹۶۸ء)

۱۲۔ پروفیسر آرمینیس ویمبری کے احوال و آثار کے لیے دیکھیے، "لوری ایلڈر" اور "رچرڈ ڈالبی"،

لندن: بیچ

مین اینڈ ٹرنر (۱۹۷۹ء)

منشی محبوب عالم نے ۱۹۰۰ء میں یورپ کا سفر کیا تو بوڈاپسٹ میں پروفیسر ویمبری سے ملاقات کی کوشش کی مگر پروفیسر ویمبری کے گھر پر موجود نہ ہونے کے باعث ملاقات سے محروم رہے۔ [سفر نامہ یورپ، بلادِ روم شام و مصر، لاہور: ڈیسنٹ پریس (۱۹۲۵ء)] تاہم سفر سے واپسی پر انہوں نے پروفیسر ویمبری کی خود نوشت کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن

(لندن: ۱۸۸۶ء) کا ملخص ترجمہ شائع کیا۔

منشی محبوب عالم کے بعد ۱۹۰۶ء میں شیخ سر عبدالقادر مدیر "مخزن" (لاہور) کا بوڈاپسٹ جانا ہوا تو وہ پروفیسر ویمبری سے مل کر آئے اور قارئین "مخزن" کو انہوں نے بتایا کہ

پروفیسر ویمبری انگلستان میں اور دیگر ممالکِ یورپ میں مشرقی معاملات کے متعلق عموماً اور اسلامی معاملات کے متعلق خصوصاً نہایت باخبر مانے جاتے ہیں اور گو کئی دفعہ ہمیں ان سے رائے میں اختلاف ہوا ہے، تاہم اس امر کا اعتراف کرنا فرض ہے کہ بہ اعتبار مغربی نژاد ہونے کے ان کی معلومات تعجب خیز ہیں مگر [انتخابِ مخزن، لاہور، شیخ مبارک علی تاجر کتب (س۔ن) ص ۹۹-۱۰۰]

شیخ عبدالقادر کو پروفیسر ویمبری نے اپنی کتابیں دکھائیں اور کتابوں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ شیخ عبدالقادر کے بیان کے مطابق لارڈ کرزن کے اُن کے شاگرد تھے اور ڈاکٹر آ۔ یل سٹائن بھی ان سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے اور "لارڈ کرزن کے عہد میں ان کو جو عہدہ وسط ایشیا میں تحقیقات وغیرہ کا سرکار کی طرف سے ملا تھا، اس میں غالباً پروفیسر صاحب کی سفارش کو بھی دخل تھا۔"

ڈاکٹر آرل سٹائن (م ۱۹۴۳ء) بھی ہنگری کے رہنے والے تھے، گو انہیں برطانوی شہریت حاصل تھی۔ "وسطی ایشیا" میں مشرقی ترکستان ان کی اثری تحقیقات کا موضوع تھا۔ حالات کے لیے دیکھئے: جینٹ مرسکی شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس (۱۹۷۷ء)

لارڈ کرزن کے جانشینوں اور آرل سٹائن کے باہمی روابط کی بعض جھلکیوں کے لیے دیکھئے: مارٹن گلبرٹ، لندن: لانگ مینز (۱۹۶۶ء) ص ۶۱-۷۳

۱۴۔ محمد عبدالحی مدبدایونی، تاثراتِ روس، کراچی: دفتر مرکزی جمیعۃ علمائے پاکستان (۱۹۵۷ء) ص ۱۶۔ ایضاً ص ۲۸

۱۵۔ راغب احسن، روس میں کیا دیکھا، تحریک (دہلی)، جنوری ۱۹۵۸ء، ص ۲۱ (۱۶) ایضاً، ص ۲۲

۱۷۔ سید ذوالفقار علی بخاری، سرگزشت، کراچی: معارف لمیٹڈ (۱۹۶۶ء) ص ۵۰۔

۱۸۔ شریف الحسن (مترجم) آذربائیجانی سیّاح۔ ڈھاکہ میں، بھار (کراچی)، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۲۔ ۱۴

۱۹۔ حکیم سید ظل الرحمٰن کی مرتبہ فہرست "مطبوعات ابن سینا" [خدابخش لائبریری جرنل (۲۲) بابت ۱۹۸۳ء ص ۵۰۔۔۔ ۱۱۰] سے معلوم ہوتا ہے کہ بوعلی سینا کی بعض کتابیں صرف برصغیر پاکستان و ہند میں شائع ہوئی ہیں اور بعض ۔۔۔ کے ساتھ ساتھ یہاں بھی چھپی ہیں اور ان کے انگریزی اور اُردو تراجم کیے گئے ہیں

۲۰۔ البیرونی سے برصغیر کے اہل علم کے اعتنا کے سلسلے میں دیکھئے: محمد اکرام چغتائی، آثار البیرونی، لاہور: سٹوڈنٹ کارنر (۱۹۷۶ء)، آثار البیرونی (اضافات)، صحیفہ (لاہور)، مئی۔جون ۱۹۷۸ء، ص ۱۔۴

۲۱۔ "دریجرالاسرار فی معرفۃ الاخیار" کا ایک حصہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔کراچی کی جانب سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا ہے۔

۲۲۔ احمد منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی کتاب خانہ گنج بخش، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان جلد اوّل (۱۹۷۸ء) جلد دوم (۱۹۷۸ء) جلد سوم (۱۹۸۰ء) اور جلد چہارم (۱۹۸۲ء)

۲۳۔ مفصل تعارف اور مطبوعات کے لیے دیکھے: ڈاکٹر علی اکبر جعفری، تحقیقاتِ فارسی در پاکستان، راولپنڈی: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۰ء)، سید مہدی غروی، نخستین کارنامہ مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد: مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان (۱۳۵۷ھ)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

صاف اور صحت بخش خون ہی انسان کی اچھی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔

خون میں فاسد مادّوں کی پیدائش سے پھوڑے پھنسیاں، خارش، دانے اور مہاسے وغیرہ جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔

ہمدرد کی صافی خون کو صاف اور صحت مند رکھتی ہے۔

صافی کا باقاعدہ استعمال جلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے اور خون کی صفائی کا مفید ذریعہ ہے۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ

صافی

سے خون بھی صاف
جلد بھی صاف

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق

بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

Adarts HSF-1/82

REGD. NO. P-90

AL-HAQ
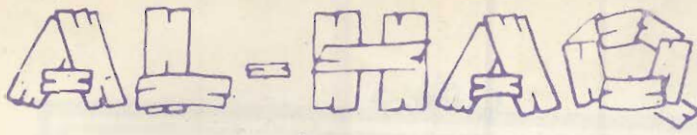
فرمانِ رسول ﷺ

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔
- امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے۔
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی - باب علامات الساعۃ)